تعمیر بیت اللہ

کے

تیئیس ۲۳ عظیم الشّان مقاصد

خطبات

حضرت امیر المومنین حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث

امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

تعارف

سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے گذشتہ دنوں "حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر کے تیئیس عظیم الشان مقاصد" اپنے خطبات میں بیان فرمائے تھے اور ان مقاصد کے بیان کی غرض یہ تھی کہ تا اُمّت مُسلمہ کے سامنے ہر لحظہ یہ مقاصد مدّ نظر رہیں اور اُمّت محمدیّہ کا ہر فرد ان مقاصد کو پُورا کرنے میں پوری جد و جہد کرے۔

یہ خطبات چھپوا کر احباب کی خدمت میں پیش ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کا یہ فرض ہے کہ وہ ان خطبات کا مطالعہ کرے، ان میں بیان شدہ مضامین کو ذہن میں مستحضر رکھے اور پُوری کوشش کرے کہ تعمیر بیت اللہ کے مقاصد ہمارے ذریعہ پُورے ہوتے رہیں۔

وَمَا تَوْفِیْقُنَا اِلَّا بِاللّٰہِ

خاکسار

ناظر اصلاح وارشاد، ربوہ (مغربی پاکستان)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے ذریعہ

بیت اللہ کی از سر نو تعمیر

کے

تئیس ۲۳ عظیم الشان مقاصد

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۳۱ مارچ ۱۹۶۷ء

بمقام مسجد مبارک، ربوہ

"اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ بیت اللہ کی ازسرِنو تعمیر کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ اور ان کی نسل ایک لمبے عرصہ تک خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی زندگیوں کو وقف کر کے ان ذمہ داریوں کو نباہیں گے جو بیت اللہ کی تعمیر سے تعلق رکھتی ہیں اور تدبیر اور دعا سے یہ کوشش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل کو توفیق عطا کرے کہ جب خدا تعالیٰ کا آخری شارع نبی دنیا کی طرف مبعوث ہو تو وہ اسے قبول کریں اور اسلام کے قبول کرنے کے بعد جو انتہائی قربانی اس قوم کو خدا تعالیٰ کے نام کے بلند کرنے کے لیے دینی پڑے وہ قربانی خدا تعالیٰ کی راہ میں دیں۔

بیت اللہ کے ساتھ بہت سی اغراض اور بہت سے مقاصد وابستہ ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ہمیں نظر آتا ہے اور جن کا تعلق حقیقۃً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہے۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورؐ نے مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝
فِیْہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰہِ
عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ
اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (آلِ عمران: ٩٧-٩٨)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ
مُصَلًّی ؕ وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ
وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا
بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَھْلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ بِاللّٰہِ وَ
الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّہٗٓ اِلٰی
عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ
مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ
الْعَلِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً
مُّسْلِمَۃً لَّکَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ
التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ
یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ ؕ

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (البقرہ ۱۵۴)

اس کے بعد فرمایا:

مَیں نے اپنے اِس مضمون کو عیدالاضحیہ کے روز شروع کیا تھا اور بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ بیتُ اللہ کی از سرِ نَو تعمیر کی اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے یہ عہد لیا کہ وہ اور اُن کی نسل ایک لمبے عرصہ تک خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی زندگیوں کو وقف کر کے ان ذِمّہ داریوں کو نباہیں گے جو بیت اللہ کی تعمیر سے تعلّق رکھتی ہیں اور تدبیر اور دُعا سے یہ کوشش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی نسل کو توفیق عطا کرے کہ جب خدا تعالیٰ کا آخری شارع نبی دنیا کی طرف مبعوث ہو تو وہ اُسے قبول کریں اور اسلام کے قبول کرنے کے بعد جو انتہائی قربانی اس قوم کو خدا تعالیٰ کے نام کے بلند کرنے کے لیے دینی پڑے وہ قربانی خدا تعالیٰ کی راہ میں دیں۔

مَیں نے بتایا تھا کہ بیت اللہ کے ساتھ بہت سی اغراض اور بہت سے مقاصد وابستہ ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم میں ہمیں نظر آتا ہے اور جن کا تعلق حقیقۃً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بعثت سے ہے۔ یہ آیات جو مَیں نے ابھی تلاوت کی ہیں، جب ان کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو ہمیں مندرجۂ ذیل مقاصد نظر آتے ہیں جن مقاصد کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی از سرِ نَو تعمیر کروائی اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور اُن کی نسل سے قریباً اڑھائی ہزار سال تک وہ قربانیاں لیتا چلا گیا۔

پہلی غرض وُضِعَ لِلنَّاسِ میں بیان ہوئی ہے، دوسری مُبٰرَکًا میں۔ تیسرے ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ میں ایک مقصد بیان ہُوا ہے۔ چوتھے اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ، پانچویں مَقَامُ اِبْرٰھِیْمَ، چھٹے مَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا، ساتویں وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا، آٹھویں جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ، نویں وَاَمْنًا، دسویں وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی، گیارھواں مقصد طَھِّرَا بَیْتِیَ میں بیان کیا گیا ہے، بارھواں مقصد طَآئِفِیْنَ کے لفظ میں ہے، تیرھواں مقصد عٰکِفِیْنَ کے لفظ میں بیان ہُوا ہے، چودھواں مقصد وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ کے اندر بیان کیا گیا ہے۔ پندرھواں مقصد رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا میں بیان ہُوا ہے، سولھواں مقصد

وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ میں بیان کیا گیا ہے، سترھواں مقصد رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا میں بیان ہوا ہے، اٹھارھواں مقصد اَلسَّمِيْعُ کے اندر بیان ہوا ہے، انیسواں مقصد اَلْعَلِيْمُ کے اندر بیان ہوا ہے، بیسواں مقصد وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ میں بیان ہوا ہے، اکیسواں مقصد وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا میں بیان ہوا ہے اور بائیسواں مقصد وَتُبْ عَلَيْنَا میں بیان ہوا ہے۔ اور تیئیسواں مقصد رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ میں بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ وہ پہلا گھر جو لِلنَّاسِ وضع کیا گیا ہے، بنایا گیا ہے مکّہ میں ہے۔ مختلف روایات اور قرآن کریم کی آیات میں جو مفہوم مختلف جگہوں میں بیان ہوا ہے اس سے میرے ذہن نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب ہمارے آدمؑ کی پیدائش اور بعثت ہوئی (میں نے ہمارے آدم کے الفاظ اس لیے استعمال کیے ہیں کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ لاکھ کے قریب آدم اس دنیا میں پیدا ہوئے ہیں جو آدم سے پہلے گزرے تھے۔ اُن کی اولاد میں سے بعض کو اولیائے اُمّتؒ نے اپنے کشف میں دیکھا بھی ہے جس کا اُنھوں نے اپنی کُتب میں ذکر کیا ہے) اُس وقت دنیا ایک مختصر سے خطّہ میں آباد تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے سب انسانوں کے لیے اپنی حکمت کاملہ سے آدم پر یہ وحی فرما کر بیت اللہ کی تعمیر کروائی، ایک گھر بنوایا اور اُس گھر کو تمام بنی نوعِ انسان کے ساتھ متعلّق کر دیا، جو اُس آدم کی اولاد میں سے تھے۔ لیکن بعد میں جب یہ نسل بڑھی اور پھیلی اور دنیا کے مختلف خطّوں کو انھوں نے آباد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی روحانی اور ذہنی نشوونما کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ہر قوم اور ہر خطّہ میں علیحدہ علیحدہ نبی بھیجنے شروع کیے، تا اُن کو ان راہوں پر چلانے کی کوشش کریں جن راہوں پر چل کر خدا تعالیٰ کا ایک بندہ اپنی استعداد کے مطابق عبودیّت کی ذمّہ داریوں کو نباہ سکتا ہے اور احادیث سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ اس دنیا میں ایک لاکھ سے اوپر انبیاء گزرے ہیں، تو جس آدم کی اولاد اس طرح منتشر اور متفرّق ہو گئی تھی علیحدہ علیحدہ قوم بن گئی تھی، جن کے اپنے اپنے نبی تھے انھوں نے اس گھر کی طرف توجّہ دینی چھوڑ دی، جو خدا کا گھر اور تمام بنی نوعِ انسان کے لیے کھڑا کیا گیا تھا اور اس سے اس قدر بے توجّہی برتی کہ حوادثِ زمانہ کے نتیجہ میں اور مرمّت اور آبادی نہ ہونے کی وجہ سے اس گھر بیت اللہ کے نشان تک مٹ گئے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کا یہ منشا پورا ہونے کا وقت آیا کہ پھر تمام دنیا عَلٰی دِيْنٍ وَّاحِدٍ جمع

کردی جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو از سرِ نو تعمیر کرنے اور اس گھر کی حفاظت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی نسل کو وقف کر دینے کا فیصلہ کیا تا ایک قوم اس بیت اللہ سے تعلّق رکھنے والی ایسی پیدا ہو جائے جن کے اندر وہ تمام استعدادیں پائی جاتی ہوں، جو اُس قوم میں پائی جانی چاہئیں جو محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور قرآن کریم کی پہلی مخاطب ہو۔ چنانچہ اڑھائی ہزار سال تک دعاؤں کے ذریعہ سے اور وقف کے ذریعہ سے ایک ایسی قوم تیار ہوئی جو اگر خدا تعالیٰ کی بن جائے تو اس کے اندر تمام وہ استعدادیں پائی جاتی تھیں جن سے وہ روحانی میدانوں میں بنی نوعِ انسان کی راہ نمائی اور قیادت کر سکے اور چونکہ یہ استعدادیں اور قوتیں اپنے کمال کو پہنچ چکی تھیں، ان کے غلط استعمال سے فتنہ عظیمہ بھی پیدا ہو سکتا تھا۔ اس لیے جب تک وہ گمراہ رہے انھوں نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شدّت سے مخالفت کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اتنی ایذا پہنچائی کہ پہلی کسی اُمّت نے اپنے نبی کو اس قسم کی ایذا نہیں پہنچائی۔ غرض ان کے اندر استعدادیں بڑی تھیں۔ ایک وقت تک وہ چھپی رہیں۔ ایک وقت تک شیطان کا ان پر قبضہ رہا، لیکن جب وہ سوئی ہوئی استعدادیں بیدار ہوئیں اور انھوں نے اپنے ربّ کو پہچانا تو دنیا نے وہ نظّارہ دیکھا کہ اس سے قبل کبھی بھی انسان نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اس قسم کی قربانیوں کا نظّارہ نہیں دیکھا تھا۔ غرض یہ وہ قوم تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں اور ان کی دعاؤں اور ان کی نسل کی قربانیوں اور ان کی دعا کے نتیجہ میں پیدا ہوئی۔

غرض وُضِعَ لِلنَّاسِ کا مفہوم حقیقی معنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ تعلّق رکھتا ہے۔ جیسا کہ تمام اغراض و مقاصد جو بیت اللہ سے متعلق ہیں وہ حقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہی تعلّق رکھنے والے ہیں۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ مَیں اس گھر کی جو میرا گھر ہے از سرِ نو تعمیر ان اغراض کے پیشِ نظر کروا رہا ہوں اور اس کے لیے تمہیں قربانیاں دینی پڑیں گی۔

غرض پہلا مقصد جس کا تعلّق بیت اللہ سے ہے یہ ہے کہ یہ بیت اللہ وہ سب سے پہلا خدا کا گھر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوعِ انسان کے دینی اور دُنیوی فوائد رکھے ہوئے ہیں۔ وُضِعَ لِلنَّاسِ یعنی تمام لوگوں کی بھلائی کے لیے اس کی تعمیر کی گئی ہے۔ یہاں سے دنیا کی اقوام بلا امتیاز رنگ، بلا امتیاز نسل اور قطع نظر اُن امتیازات کے جو ایک کو دوسرے

سے علیحدہ کر دیتے ہیں تمام اقوامِ عالم اس گھر سے دنیوی فوائد بھی حاصل کریں گی اور دینی فوائد بھی حاصل کریں گی۔ یہ پہلی غرض ہے اس گھر کی ازسرِ نو تعمیر سے۔

دوسری غرض بیت اللہ کی تعمیر سے یہ ہے کہ ہم اپنے اس گھر کو (بیت اللہ کو) مُبَارَکًا بنانا چاہتے ہیں اور مُبٰرَکًا اُس مقام کو کہتے ہیں جو نشیب میں ہو اور اگر بارش ہو تو چاروں طرف کا پانی وہاں آکر جمع ہو جائے۔ چونکہ یہاں بارش کے مضموع پر اللہ تعالیٰ بات نہیں کر رہا، بلکہ انسان کی دینی اور دنیوی ترقیات اور بہبود کے متعلّق بات ہو رہی ہے اس لیے یہاں مُبَارَکًا کے معنے دو ہیں۔ ایک یہ کہ تمام اقوامِ عالم کے نمائندے اس گھر میں جمع ہوتے رہیں گے اور دوسرے یہ کہ ہم نے بیت اللہ کو اس لیے تعمیر کروایا اور اسے معمور رکھنے (آباد رکھنے) کا فیصلہ کیا ہے کہ یہاں ایک ایسی شریعت قائم کی جائے گی، یہاں ایک ایسا آخری شریعت والا نبی مبعوث کیا جائے گا کہ جس کی شریعت میں تمام ہدایتیں اور روحانی صداقتیں جو مختلف اقوام کی شریعتوں میں متفرق طور پر پائی جاتی تھیں پھر اکٹھی کر دی جائیں گی اور کوئی ایسی صداقت نہ ہو گی جو اس شریعت سے باہر رہ گئی ہو۔

پس فرمایا کہ روحانی لحاظ سے ہم اس "بیت اللہ" کو مُبَارَکًا بنانا چاہتے ہیں اور ہماری یہ غرض ہے کہ یہ مَولد ہوگا ایک ایسی شریعت کا کہ تمام انبیاء کی شریعتوں میں جو ہدایتیں متفرق طور پر پائی جاتی ہوں گی، وہ اس میں اکٹھی کر دی جائیں گی اور اس کے ساتھ برکت بھی ہو گی یعنی وہ تمام چیزیں جو پہلوں کے لیے ضروری نہیں تھیں اور وہ اُنھیں برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ صداقتیں بھی اس میں بیان ہوں گی اور ایک کامل اور مکمّل شریعت ہو گی جو تمام اقوام کے فائدہ کے لیے قائم کی جائے گی اور یہ گھر جو ہے اور یہ بیت اللہ، اس کامل اور مکمّل اور ابدی شریعت کے لیے اُمّ القُریٰ ٹھہرے گا۔

تیسری غرض بیت اللہ کے قیام کی ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ میں بیان کی گئی ہے۔ آپ اس بات کو مدّنظر رکھیں کہ ان آیات کے شروع میں بیان کیا گیا تھا وُضِعَ لِلنَّاسِ کہ تمام دنیا، تمام اقوام اور تمام زمانوں کے لیے ہم اس گھر کو بنا رہے ہیں تمام اقوام کے ساتھ اس کا جو تعلّق ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں بار بار دہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیسری غرض اِس گھر کی تعمیر سے یہ ہے کہ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ تمام جہانوں کے لیے ہدایت کا موجب یہ بنے۔ لفظ ھُدًی کے معنوں میں بھی عَالَمِیْن کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کیونکہ عقل اور فراست اور علم اور معارف جو مشترک طور پر سارے انسانوں کا حِصّہ ہیں ان کو ہدایت کہتے ہیں۔ اس کے بغیر آگے روحانی علوم چل ہی نہیں سکتے، کیونکہ جس میں مثلاً عقل نہ ہو وہ پاگل ہوگا

اس کو مرفوع القلم کہتے ہیں یعنی اب اُس کے اوپر شریعت کا حکم نہیں رہا، غرض عقل بنیاد ہے شریعت کی اور اُن معانی کی جو اس لفظِ ہدایت کے اندر پائے جاتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ ہم اس گھر کے ذریعہ سے یہ ثابت کریں گے کہ تمام اقوامِ عالم عقل کے لحاظ سے اور فراست کے لحاظ سے اور معارف کے لحاظ سے اور علوم کے لحاظ سے ایک جیسی قابلیت رکھتی ہیں کسی قوم کو اس لحاظ سے کسی دوسری قوم پر برتری نہیں ہے۔

اِس میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں حقیقتاً ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ کا جلوہ دنیا پر ظاہر ہوگا، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس وقت بعض قومیں دنیا میں ایسی بھی پیدا ہو جائیں گی جو یہ کہنے لگیں گی کہ ہم زیادہ عقل مند ہیں ہمارے اندر زیادہ فراست اور علوم حاصل کرنے کی زیادہ قابلیت ہے اور بعض قومیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہی اس غرض سے ہے کہ وہ ہماری محکوم رہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس گھر کے ذریعہ سے ہم ثابت کریں گے کہ اپنی عقل اور فراست اور بنیادی علوم کے لحاظ سے قوم قوم میں تمیز نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوعِ انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور اس غرض کو حاصل کرنے کے لیے جس عقل کی جس فراست کی، جن معارف کی اور جن علوم کی ضرورت تھی وہ سب اقوام کو برابر دیئے ہیں یعنی اُن کے اندر برابر کی استعدادیں ہیں۔ فرد فرد کی استعداد میں تو فرق ہو سکتا ہے، لیکن کسی ایک قوم کو دُوسری قوم پر برتری حاصل نہیں۔

دوسرے معنی ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بیت اللہ کے مقام سے قرآن کریم کا نزول شروع کرے گا۔ کیونکہ مفرداتِ راغب میں ہے کہ ھِدَایَۃ کے ایک معنی یہ ہیں کہ وہ آسمانی ہدایت کہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ اور پھر قرآن کریم کے نزول کے ساتھ بنی نوعِ انسان کو بلایا ہو کہ ادھر آؤ یہ ہدایت کے راستے ہیں، ان پر چلو تب تم مجھ تک پہنچ سکتے ہو۔ تو ہدایت کے معنی میں تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پہلے تمام انبیاء ایک سے شریک ہیں لیکن ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ کے معنی حقیقی طور پر سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی پر چسپاں نہیں ہوتے کیونکہ باقی تمام انبیاء اپنے زمانوں اور اپنی اقوام کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ پس یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بیت اللہ قرآن کریم کے نزول کی جگہ ہے یہاں سے قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوگا۔ اس غرض سے ہم اس کی حفاظت

کر رہے ہیں اور اس کی تطہیر وغیرہ کا سامان پیدا کر رہے ہیں۔

ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بیت اللہ ایک ایسا مقام ہے کہ یہاں اس شریعت کی ابتدا ہوگی جو انسان پر غیر متناہی ترقیات کے دروازے کھولے گی، کیونکہ ہدایت کے تیسرے معنی امام راغبؒ کے نزدیک یہ ہیں کہ ایک شخص جب ہدایت کی راہوں پر چل کر بعض اعمال صالحہ بجالاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو مزید ہدایت کی توفیق عطا کرتا ہے، تو ہر عمل صالح کے نتیجہ میں بہتر اور جو اللہ تعالیٰ کو نسبتاً زیادہ محبوب عمل صالح ہے اس کی توفیق اس کو مل جاتی ہے یعنی تدریجی طور پر انسان کو روحانی ترقیات کے مدارج پر چڑھاتی چلی جائے گی اور اس اُمّت پر اس کے ذریعہ سے غیر متناہی ترقیات کے دروازے کھولے جائیں گے اور پھر یہ فرمایا کہ بیت اللہ کے قیام کی غرض یہ ہے کہ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ سے (اپنے چوتھے معنی کے لحاظ سے) ایک ایسی اُمّتِ مُسلمہ پیدا کی جائے گی جس کو اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات ملیں گے جو اُن سے پہلے کسی اُمّت کو نہیں ملے اور قیامت تک بنی نوع انسان کو اس قسم کے کامل اور اکمل اور مکمّل ثواب اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمتیں ملتی چلی جائیں گی کیونکہ ہدایت کے چوتھے معنی امام راغبؒ نے یہ لکھے ہیں: اَلْهِدَايَةُ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَى الْجَنَّةِ۔ چونکہ اُن کے نزدیک صرف آخرت میں ہی جنّت ملتی ہے اس لیے انھوں نے "فِی الْاٰخِرَةِ" کے الفاظ (میرے نزدیک) اپنے اس عقیدے کی وجہ سے زائد کر دیئے۔ ورنہ لغوی لحاظ سے اس کے یہی معنی ہیں: اَلْهِدَايَةُ اِلَى الْجَنَّةِ یعنی جس غرض کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے، وہ غرض اُسے حاصل ہو جائے گی، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ یہ جنّت صرف اُخروی زندگی میں ہی نہیں بلکہ اس دنیوی زندگی میں بھی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا تھا کہ بیت اللہ کو ہم اس لیے کھڑا کر رہے ہیں اور اس کی حفاظت کے ہم اس لیے سامان پیدا کر رہے ہیں کہ یہاں ایک ایسی اُمّت جنم لے گی کہ جو ثواب اور جزا ان کو ملے گی اور خدا تعالیٰ کی رضا کی جو جنّت ان کے نصیب میں ہوگی وہ پہلی قوموں کے نصیب میں نہیں ہوئی ہوگی، یعنی بہترین نتیجہ جو انسانی صالح عمل کا نکل سکتا ہے وہ اس امت کے اعمال کا نکلے گا کیونکہ جو شریعت اُن کو دی گئی ہے وہ ہر لحاظ سے کامل اور مکمّل ہے۔ پہلوں کی شریعتیں چونکہ نسبتی طور پر ناقص تھیں اگر ان پر پورے طور پر عمل بھی کیا جاتا تو ان کا نتیجہ عقلاً بھی وہ نہیں نکل سکتا تھا جو نتیجہ اس عمل کا

نکل سکتا ہے جو ایسی شریعت کے مطابق ہو جو پُورے طور پر کامل ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اس گھر سے جس عالمگیر شریعت کا چشمہ پھوٹے گا اُس پر عمل کرنے کے نتیجہ میں اَلْجَنَّةُ ایک کامل جنّت انسان کو ملے گی اس دنیا میں بھی، اور اُخروی دنیا میں بھی۔ پس تیسری غرض (جو آگے بعض ذیلی اغراض میں تقسیم ہو جاتی ہے) بیت اللہ کے قیام کی هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے۔

چوتھا مقصد اس گھر کی تعمیر کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ ہے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم خاص قسم کی آیات بیّنات کا وعدہ انسان کو دیتا ہے یا ان کے متعلق پیشگوئیاں بیان کرتا ہے، تو یہاں میرے نزدیک آیات بیّنات کے عام معنی نہیں ہیں بلکہ یہاں وہ آیات بیّنات مراد ہیں جو اس پہلے گھر سے تعلق رکھتی ہیں، جو وُضِعَ لِلنَّاسِ ہے۔ جو مُبَارَكًا ہے، اور جو هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے۔ اس مفہوم کے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ اور اس کے معنی یہاں یہ ہیں کہ اس گھر سے تعلّق رکھنے والی ایسی آیات اور بیّنات ہوں گی اور یہ گھر ایسے نشانات اور تائیدات سماوی کا منبع بنے گا جو ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گی۔ جو آیات اور بیّنات پہلے انبیاء یا اُن کی قوموں کو دی گئیں وہ اپنے اپنے وقت پر ختم ہو گئیں اور پہلی اُمتوں میں سے ہر ایک نے کوئی نہ کوئی منطقی اور غیر تسلّی بخش دلیل ڈھونڈ کر یہ دعویٰ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ایسا تعلّق قائم نہیں ہو سکتا کہ انسان اُس کے قُرب کو، اُس کی وحی کو، سچّے رؤیا اور کشوف کو اور آئندہ کے متعلّق پیشگوئیوں کو حاصل کر سکے تو قُرب کے اِن دروازوں کو پہلی ہر اُمّت نے اپنے پر بند کر لیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک ایسی اُمّت مُسلمہ کا قیام بیت اللہ کی تعمیر سے مدِّ نظر ہے کہ قیامت تک اُن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے نشانات ظاہر ہوتے رہیں گے اور اپنے نشانات اور استجابتِ دُعا اور قربانیوں کا دنیا میں پھل پانے کے نتیجہ میں وہ اُمّت دنیا پر یہ ثابت کرتی رہے گی کہ اس دنیا کا پیدا کرنے والا ایک زندہ خدا ہے۔ ایک طاقتور خدا ہے۔ وہ بڑا رحم کرنے والا اور پیار کرنے والا خدا ہے۔ وہ ایسے بندوں کو جو اس کے سامنے جھکتے ہیں ضائع نہیں کرتا بلکہ اُن سے تعلّق کو وہ قائم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی عزّت کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے اور دنیا کو یہ بتانے کے لیے کہ یہ میرے محبوب بندے ہیں وہ ان پر وحی کرتا ہے۔ کشوف و رُؤیا انھیں دکھاتا ہے۔ وہ ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے

اور ایسے بندے اِس اُمّت میں پیدا ہوتے رہیں گے ، جو قیامت تک یہ ثابت کرتے رہیں گے کہ ہمارا خدا زندہ خدا ہے اور اس سے تعلق رکھنے والے آیات بیّنات کو حاصل کرتے ہیں ۔

پانچویں غرض جس کا تعلّق بیت اللہ سے ہے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے کہ یہ مقامِ ابراہیم ہے ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ دیکھو ہمارے بندے ابراہیم (علیہ السّلام) نے اور بہتوں نے اس کی نسل میں سے اِنقطاعِ نفس کر کے اور تعشّق باللہ اور محبّت الٰہی میں غرق ہو کر سچے عاشق اور مُحِبّ کی طرح اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا نعرہ لگایا اور دنیا کے لیے ایک نمونہ بنایا ۔ ہم نے اس بیت اللہ کی آبادی کا اس لیے انتظام کیا ہے کہ اس کے ذریعہ عشّاقِ الٰہی کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جاتی رہے جو تمام حجابوں کو دُور کر کے اور دنیا کے تمام علائق سے مُنہ موڑ کر خدا تعالیٰ کے لیے اپنی مرضات سے ننگے ہو کر اور تمام خواہشات کو قربان کر کے فنا فی اللہ کے مقام کو حاصل کرنے والے ہوں اور اس عبادت کو احسن طریق پر اور کامل طور پر ادا کرنے والے ہوں جس کا تعلّق محبّت اور ایثار سے ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ عبادت دو قسم کی ہوتی ہے ۔ ایک وہ عبادت ہے جو تذلّل اور انکسار کی بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہے اور ایک وہ عبادت ہے جو محبّت اور ایثار کی بنیادوں پر قائم ہے ۔ ہماری نماز جو ہے یہ اس قسم کی عبادت ہے جو تذلّل اور انکسار کے مقام پر کھڑی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ نماز دعا ہے اور دعا کے لیے انتہائی تذلّل اور انکسار کو اختیار کرنا ضروری ہے جس شخص کے دماغ میں اپنے ربّ کے مقابلہ میں ایک ذرّہ بھی تکبّر ہو اس کی دعا کبھی قبول نہیں ہو سکتی ۔ پس ہماری نمازیں صرف اس صورت میں عبادت بنتی ہیں کہ جب وہ حقیقتاً تذلّل اور انکسار کے مقام پر کھڑی ہوں ۔ اس کے مقابلہ میں دوسری عبادت وہ ہے جو محبّت اور ایثار کی بنیادوں پر کھڑی ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ عبادت جس کا تعلّق تعمیرِ کعبہ سے ہے ۔ جس کا تعلّق حفاظتِ کعبہ سے ہے اور جس کا تعلّق بیت اللہ کے لیے خود کو اور اپنی اولاد کو وقف کر دینے کے ساتھ ہے اور اس کے لیے دعائیں کرنے کا تعلّق ہے یہ محبّت والی عبادت ہے اور خدا تعالیٰ کی محبّت اور خدا تعالیٰ کے عشق کا جو مظاہرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا وہ عدیم المثال تھا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مقامِ ابراہیم ہے اس مقام سے ہم ایک ایسی اُمّت پیدا کریں گے جو

لاکھوں کی تعداد میں ہو گی اور ہر زمانہ میں پائی جائے گی اور اس اُمّت کی قربانی کا اگر تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی کے ساتھ مقابلہ کرو گے تو اس کو ان سے کم نہیں پاؤ گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّت قدسیہ کے نتیجہ میں اس قوم نے پیدا ہونا تھا لیکن اس قوّت قدسیہ کے جو اثرات ہیں ان کو دنیا میں مؤثر طریق پر پھیلانے کے لیے قریباً اڑھائی ہزار سال پہلے خانہ کعبہ کی بنیاد از سرِ نو رکھی گئی تھی۔ تو یہاں یہ فرمایا کہ ظاہری شکل حج کے ارکان کی، اس عبادت کی خود ہی ایسی ہے جس کا تعلق محبّت سے ہے۔ مثلاً طواف کرنا ہے۔ اب تخیّل قریباً ساری اقوام میں پایا جاتا ہے کہ جب کسی کے لیے جان کی قربانی دینا ہو تو اس کے گرد گھومتے ہیں۔ ہمارے بعض بادشاہوں کے متعلق بھی آتا ہے کہ اُن میں سے کسی کا بچّہ بیمار تھا۔ اس نے اس کا طواف کیا اور دُعا کی کہ میری زندگی اُس کو مل جائے۔ پس جان قربان کرنے کا جو تخیّل ہے وہ طواف کے ساتھ گہرا تعلّق رکھتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے کہ یہاں سے ایک ایسی قوم پیدا کی جائے گی جو ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی رہے گی اور اس کے آستانہ کا ہو رہتی رہے گی۔ ایک طرف وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو تازہ رکھنے والی ہو گی اور دوسری طرف وہ محمّد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قوّت قدسیہ کو نہایت شان کے ساتھ ظاہر کرنے والی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی ایک قوم پیدا کر دی صرف پہلے زمانہ میں ہی نہیں۔ صرف عرب میں بسنے والوں میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر خطّہ میں اور قیامت تک ہر زمانہ میں۔ جو ابراہیمی عشق اور جو ابراہیمی محبّت اپنے ربّ کے لیے رکھیں گے وہ اس کی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں دینے والے ہوں گے۔

(منقول از روزنامہ الفضل ربوہ مورخہ ۲۳ اپریل ۱۹۶۷ء)

بیت اللہ کی تعمیر کے ساتھ تعلق رکھنے والے مقاصد

کا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی

بعثت سے گہرا تعلق

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۷ اپریل ۱۹۶۷ء

بمقام مسجد مبارک ربوہ

"اللہ تعالےٰ نے ایک گھر تمام بنی نوعِ انسان کے فائدہ کے لیے بنایا، مگر اُنھوں نے اس کی عظمت کو نہ پہچانا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ برباد ہوگیا اور اس کا نام و نشان مٹ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ نشان دہی کرکے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ سے اسے از سرِ نو تعمیر کروایا اور اس کی حفاظت کے لیے اور اس کی عظمت کے قیام کے لیے یہ انتظام کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد کو اس خانۂ خدا کی خدمت کے لیے وقف کریں۔ چنانچہ آپ کی اولاد ایک لمبا عرصہ اس خدمت پر لگی رہی اور دو ہزار پانچ صد سالہ خدمت اور دُعاؤں کے نتیجہ میں وہ قوم تیار ہوئی، جو کامل اور مکمّل اور عالمگیر شریعت کی ذمّہ داریوں کے بارِ گراں کو اُٹھانے کی قوّت اور استعداد اپنے اندر رکھتی تھی"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى
لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ
كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ
وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آلِ عمران: ۹۷-۹۸)

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ
اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا
بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ
اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ
الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ
كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ۝ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ
اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪
وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (بقرہ ع ۱۵)

اور فرمایا:

ایک اہم موضوع پر مَیں بعض خطبے پڑھ چکا ہوں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک گھر تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لیے بنایا مگر انھوں نے اس کی عظمت کو نہ پہچانا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ برباد ہوگیا اور اس کا نام ونشان مٹ گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ نشان دہی کر کے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ذریعہ سے اسے از سرِ نو تعمیر کروایا اور اس کی حفاظت کے لیے اور اس کی عظمت کے قیام کے لیے یہ انتظام کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اولاد کو اس خانۂ خدا کی خدمت کے لیے وقف کریں۔ چنانچہ آپ کی اولاد ایک لمبا عرصہ اس خدمت پر لگی رہی اور دو ہزار پانچصد سالہ خدمت اور دعاؤں کے نتیجہ میں وہ قوم تیار ہوئی جو کامل اور مکمّل اور عالمگیر شریعت کی ذمہ داریوں کے بارِ گراں کو اُٹھانے کی قوت اور استعداد اپنے اندر رکھتی تھی۔

پھر میں نے بتایا تھا کہ یہ آیات جن کی مَیں نے تلاوت کی ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے اُن تئیس ۲۳ اغراض ومقاصد کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق تعمیرِ بیت اللہ سے ہے اور ان تمام مقاصد کے حصول کا تعلق بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ ان اغراض میں سے پانچ کے متعلق مَیں نے گذشتہ خطبہ میں آپ دوستوں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اوّل یہ کہ یہ گھر وُضِعَ لِلنَّاسِ تمام بنی نوعِ انسان کے فائدہ کے لیے تعمیر کروایا جارہا ہے۔ دوسرے یہ کہ مُبٰرَکًا اس کے اندر مبارک ہونے کی صفت پائی جاتی ہے۔ مادّی لحاظ سے بھی اور روحانی لحاظ سے بھی۔ تیسرے یہ کہ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ تمام جہانوں کے لیے اسے ہم موجبِ ہدایت بنانا چاہتے ہیں اور ہدایت کے ہر چہار معنی کی رُو سے اسے اللہ تعالیٰ نے عالمین کے لیے ہدایت کا مرکز بنایا ہے۔ چوتھے یہ کہ فِیْهِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ، یعنی آسمانی نشانات کا ایسا سلسلہ یہاں سے جاری کیا جائے گا، جو قیامت تک زندہ رہے گا اور ایک ایسا چشمہ آسمانی تائید کا یہاں سے پھوٹے گا جو کبھی خشک نہیں ہوگا اور پانچویں مَقَامُ اِبْرٰهِیْمَ کے الفاظ میں یہ بتایا کہ وہ عبادت جو محبت اور ایثار کی بنیادوں پر اُستوار کی جاتی

ہے اس عبادت کا یہ مرکزی نقطہ ہوگا اور ایک قوم جو نمایندہ ہوگی تمام اقوام کی اور نمایندہ ہوگی ہر زمانہ کی پیدا کی جائے گی، جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی طرح اللہ تعالیٰ کے گناہ سوزعشق سے سرشار ہوگی اور خدا تعالیٰ کے قرب کی راہیں اس پر ہمیشہ کھلی رہیں گی۔

یہ پانچ مقاصد تھے جن کے متعلق میں نے گذشتہ جمعہ میں تفصیل سے بیان کیا تھا کیونکہ مجھے ان مقاصد میں سے ہر ایک کی طرف پھر واپس آنا ہے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ان میں سے ہر ایک کا تعلّق نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے ہے اور یہ کہ وہ کس طرح اور کس شکل میں حاصل ہُوا۔ اس لیے آج میرا ارادہ یہ ہے کہ مَیں بڑے ہی اختصار کے ساتھ ان مقاصد کو بیان کروں اور کوشش کروں کہ بئیس ۲۲ مقاصد میں سے جو باقی رہ گئے ہیں اُن سب کو آج کے خطبہ میں بیان کر دوں، آگے جو خدا کو منظور ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا بیت اللہ کی تعمیر کی چھٹی غرض یہ ہے کہ جو بھی اس کے اندر داخل ہوگا یعنی ہر وہ شخص جو اُن عبادات کو بجا لائے گا جن کا تعلّق بیت اللہ سے ہے دنیا اور آخرت کے جہنّم سے وہ خدا کی پناہ میں آ جائیگا اور اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ پس چھٹی غرض بیت اللہ کی تعمیر کی یہ ہے کہ اللہ کا ایک ایسا گھر بنایا جائے جس کے ساتھ بعض عبادات تعلّق رکھتی ہوں اور جو شخص بھی خلوصِ نیّت کے ساتھ اور کامل اور مکمل طور پر اُن عبادات کو بجا لائے گا اس کے متعلّق اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ اس کے تمام پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا اور نارِ جہنّم سے وہ محفوظ ہو جائے گا۔

ساتویں غرض بیت اللہ کی تعمیر کی اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بتائی ہے کہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد یا اہلِ عرب پر ہی یہ فرض نہیں کہ وہ بیت اللہ کا حج کریں بلکہ بیت اللہ کی تعمیر کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ اقوامِ عالم بیت اللہ کے حج کے لیے اس مقام پر جمع ہوں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ تمام اغراض و مقاصد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کے وقت ہی بتا دیئے گئے تھے جیساکہ بہت سے قوی قرائن اس کے متعلّق قرآن کریم سے ملتے ہیں، غرض اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ کہا کہ یہ خدا تعالیٰ کا ایک ایسا گھر ہے کہ تمام اقوامِ عالم جو مجھ پر ایمان لائیں گی اور میرے رسول پر بھی ایمان لائیں گی اور خاتم النّبیین (صلّی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر میری اطاعت کا جُوا اپنی گردنوں پر رکھیں گی ان کے لیے حجِّ بیت اللہ فرض قرار دیا جائے گا اور اس طرح اس جگہ کو مرجعِ خلائق اور مرجعِ عالم بنا دیا جائے گا۔

آٹھویں غرض یا آٹھواں مقصد بیت اللہ کی تعمیر کا یہ بتایا کہ یہ مَثَابَۃً ہے۔ اس لفظ میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ دنیا کی اقوام فرقہ فرقہ بن گئی ہیں اور جس وقت یہ فرقہ بندی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی اس وقت ایک ایسا رسول مبعوث کیا جائے گا جو بیت اللہ کی اس غرض کو پورا کرنے والا ہو گا اور اُن متفرق اقوام کو ایک مرکز پر لا جمع کرے گا۔ وہ سب کو عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ لے آئے گا پس یہاں بتایا کہ باوجود اس کے کہ تفرقہ ایک وقت پر اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ اس وقت ایک ایسے رسول کو مبعوث فرمائے جو تمام اقوام کو اُمَّۃً وَّاحِدَۃً بنا دے۔

نواں مقصد یہاں یہ بیان کیا کہ اَمْنًا یعنی یہ گھر جو ہے یہ اَمْنًا لِّلنَّاسِ ہے۔ یہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے اپنے اس گھر کو ایسا بنانا چاہا ہے کہ اس کے ذریعہ اور صرف اس کے ذریعہ دنیا کو امن نصیب ہو گا۔ کیونکہ صرف یہ ایک گھر ہو گا جسے بیت اللہ کہا جا سکتا ہے اس کو چھوڑ کر اور ان تعلیموں کو نظر انداز کر کے جن کا تعلق اس گھر سے ہے دنیا کوئی تنظیم امنِ عالم کے لیے کوشش کر کے دیکھ لے وہ کبھی اس میں کامیاب نہیں ہو گی۔ حقیقی امن دنیا کو صرف اُس وقت اور صرف اسی تعلیم پر عمل کرنے کے نتیجہ میں مل سکتا ہے جو تعلیم وہ نبی دنیا کے سامنے پیش کرے گا جو خانۂ کعبہ سے کھڑا کیا جائے گا۔

امن کے ایک دوسرے معنے کے لحاظ سے اَمْنًا لِّلنَّاسِ کے معنی یہ بھی ہیں کہ دُنیا روحانی طور پر اطمینانِ قلب صرف مکّہ معظمہ اور صرف اُس آخری شریعت کے ساتھ پختہ تعلق پیدا کرنے کے نتیجہ میں حاصل کر سکے گی جو آخری شریعت مکّہ میں ظاہر ہو گی۔ اور تمام اقوامِ عالم کو پکار رہی ہو گی اپنے ربّ کی طرف۔ اور چونکہ اطمینانِ قلب ہر انسان کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب اس کے فطری تقاضوں کو وہ تعلیم پورا کرنے والی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جتنی قوتیں اور استعدادیں پیدا کی ہیں ان سب کی راہ نمائی اور نشو ونما کرنے کے قابل ہو۔ پس یہاں یہ فرمایا کہ مکّہ گھر ہو گا ایک ایسی تعلیم کا جو حقیقی طور پر دنیا کو اطمینانِ قلب پہنچانے والی ہو گی ہر دو معنی یہاں چھپاں ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا کو اگر امن نصیب ہو سکتا ہے تو وہ مکّہ کی وساطت سے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کی ارواح اگر اطمینانِ قلب حاصل کر سکتی ہیں۔ دنیا کی عقلیں اگر تسلّی پا سکتی ہیں تو صرف اس تعلیم کے نتیجہ میں جو مکّہ میں نازل ہو گی۔

دسویں غرض اور دسواں مقصد ان آیات میں خانۂ کعبہ کا اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا ہے کہ اِتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى۔ اس سے پہلی ایک آیت میں مَقَامُ اِبْرٰهِیْمَ کا ذکر تھا۔ اس سے مراد یہ تھی کہ یہ مقام ایسا گھر ہے

جہاں بنیاد ڈالی گئی ہے اُس حقیقی عبادت کی جو محبّت اور ایثار اور عشقِ الٰہی کے چشمہ سے بہہ نکلتی ہے اور اِتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى میں اُس عبادت کا ذِکر ہے جو تذلّل اور انکسار کے منبع سے پھوٹتی ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ بیت اللہ کی تعمیر کی ایک غرض یہ ہے کہ ایک ایسی قوم پیدا کی جائے جو تذلّل اور انکسار کے ساتھ اپنے ربّ کی عبادت کرنے والی ہو۔ اور جو تذلّل اور انکسار کی عبادت کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام کے ظلّ ساری دنیا میں قائم کرے۔ اور اشاعتِ اسلام کے مراکز کو قائم کرنے والی ہو۔

گیارھویں غرض تعمیرِ بیت اللہ کی یہ بیان کی گئی ہے کہ طَهِّرَا بَيْتِيَ اور اس میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ خانہ کعبہ کو ظاہری صفائی اور باطنی طہارت کا سبق سیکھنے کے لیے ساری دنیا کے لیے بطور ایک جامعہ اور یونیورسٹی اور ایک مرکز کے بنایا جائے۔

بارھویں غرض تعمیرِ کعبہ کی یہ بتائی گئی ہے کہ لِلطَّآئِفِيْنَ یعنی اقوامِ عالم کے نمایندے بار بار یہاں جمع ہوا کریں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قریباً اڑھائی ہزار سال پہلے یہ بتایا تھا کہ تمام اقوامِ عالم کے نمایندے بار بار یہاں آئیں گے طواف کرنے کے لیے بھی اور دوسری اُن اغراض کے پورا کرنے کے لیے بھی جن کا تعلق خانہ کعبہ سے ہے۔

تیرھواں مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ وَالْعٰكِفِيْنَ۔ خانہ کعبہ اس غرض سے از سرِ نو تعمیر کروایا جا رہا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ایک ایسی قوم پیدا کی جائے جو اپنی زندگیاں خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کرنے والے ہوں اور اس طرح بیت اللہ کے مقاصد کو پورا کرنے والے ہوں۔

چودھواں مقصد یہاں یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ایک ایسی قوم پیدا کی جائے جو توحیدِ باری پر قائم ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے اپنی زندگیوں کو گزارنے والی ہو۔

پندرھواں مقصد یہ بیان ہوا ہے کہ بَلَدًا اٰمِنًا۔ امن کا لفظ اِن آیات میں تین مختلف مقاصد کے بیان کے لیے اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم اس گھر کو دنیا کے ظالمانہ حملوں سے اپنی پناہ میں رکھیں گے اور کوئی ایسا حملہ جو خانہ کعبہ کو مٹانے کے لیے کیا جائے گا وہ کامیاب نہیں ہوگا بلکہ حملہ آور تباہ و برباد کر کے رکھ دیا

جائیں گے تا دنیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کرے کہ وہ نبی جسے ہم یہاں سے مبعوث کرنا چاہتے ہیں وہ بھی خدا تعالیٰ کی پناہ میں ہوگا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کی ذات کو ہلاک یا اس کے مشن کو ناکام نہیں کر سکے گی اور تا دنیا یہ بھی نتیجہ نکالے کہ جو شریعت نبی معصوم کو دی جائے گی وہ ہمیشہ کے لیے ہوگی اور خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کا خود ذمّہ دار ہوگا۔

سولھویں غرض جو خانہ کعبہ سے وابستہ ہے وہ یہ ہے کہ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا کہ میں بیت اللہ کو از سرِ نو تعمیر کروا رہا ہوں اس غرض سے بھی کہ تا بیت اللہ اور اس کی برکات کو دیکھ کر دنیا اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے پر موت وارد کرتے ہیں اور اس کے ہو کر اس کی راہ میں قربانی دیتے ہیں اور دنیا سے کٹ کر صرف اسی کے ہو رہتے ہیں ان کے اعمال ضائع نہیں ہوتے بلکہ شیریں پھل انھیں ملتا ہے اور عاجزانہ اور عاشقانہ اعمال کے بہترین نتائج اُن کے لیے مقدّر کیے جاتے ہیں۔

سترھویں غرض بیت اللہ کے قیام کی یہ بتائی کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا یعنی بیت اللہ کی تعمیر کی ایک غرض یہ ہے کہ تا دنیا یہ جانے اور پہچانے کہ روحانی رفعتوں کا حصول دعا کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔ جب دعا میں انسان کا تضرّع اور ابتہال انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور موت کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تب فضلِ الٰہی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور معرفت کی راہیں بندہ پر کھولی جاتی ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے یہاں بیت اللہ کے قیام کی غرض بتائی کہ یہاں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو دعا اپنی تمام شرائط کے ساتھ کرے گی اور دعا میں اُن پر ایک موت کی سی کیفیت وارد ہوگی اور ان کا وجود کلّیتہً فنا ہو جائے گا اور پانی بن کر آستانۂ ربّ پر بہہ نکلے گا اور وہ جانتے ہوں گے کہ ہم اپنے اعمال کے نتیجہ میں محض اعمال کے نتیجہ میں) کچھ حاصل نہیں کر سکتے جب تک ہم دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب نہ کریں، اس لیے انتہائی قربانیاں دینے کے بعد بھی وہ اپنی قربانیوں کو کچھ چیز نہ سمجھیں گے اور ہر وقت اپنے ربّ سے ترساں اور لرزاں رہیں گے اور انتہائی قربانیوں کے باوجود اُن کی دُعا یہ ہوگی کہ جو کچھ ہم تیرے حضور پیش کر رہے ہیں وہ ایک حقیر سا تحفہ ہے۔ تیری شان تو بہت بلند ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ تیرے حضور ہمارا یہ تحفہ قبول ہونے کے لائق نہیں، لیکن تو بڑا رحم کرنے والا ربّ ہے۔ ہمارے اس حقیر تحفہ کو قبول فرما اور ہماری غفلتوں

اور ہماری حقیر مساعی کو چشم مغفرت سے دیکھ اور رحمت کے سامان پیدا کر تا کہ ہماری مساعی اور کوششیں تیرے حضور قبول ہو جائیں۔ غرض اس قسم کی قوم پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی بنیاد رکھی۔

اٹھارھواں مقصد یہ ہے کہ دنیا یہ جانے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خانہ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر سے کے حضور اس رنگ میں دعائیں کرتے ہیں وہی ہیں جو اپنے ربّ کی صفت سَمِیع کا نظارہ دیکھتے ہیں اور پھر دنیا دیکھتی ہے کہ ہمارا ربّ جو ہے وہ سننے والا ہے۔ وہ ہماری دعاؤں کو سنتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے تمہاری دعاؤں کو سنا پس خانہ کعبہ کے قیام کے نتیجہ میں خدائے سمیع کی معرفت دنیا حاصل کرے گی۔

انیسواں مقصد یہ ہے کہ دنیا اس کے ذریعہ سے خدائے علیم کی معرفت حاصل کرے گی۔ یہ نہیں ہوگا کہ بندہ نے اپنے علمِ ناقص کے نتیجہ میں جو دعا کی اُسے اللہ تعالیٰ نے اسی رنگ میں قبول کر لیا بلکہ بندہ دعا کرے گا اور دعا کو انتہا تک پہنچائے گا تو اس کا ربّ اس کی دُعا کو سُنے گا اور قبول کرے گا، مگر قبول کرے گا اپنے علمِ غیب کے تقاضا کو پورا کرتے ہوئے یعنی جس رنگ میں وہ دعائیں قبول ہونی چاہئیں اس رنگ میں۔ بعض دعاؤں کا ردّ ہو جانا یا بعض دعاؤں کا اُس شکل میں پورا نہ ہونا جس رنگ میں کہ وہ کی گئی ہیں یہ ثابت نہیں کرے گا کہ خدا سَمِیع نہیں ہے یا قادر نہیں ہے بلکہ وہ یہ ثابت کرے گا کہ خدا تعالیٰ ہی کی ذات عَلَّامُ الْغُیُوْب ہے۔ تو خانہ کعبہ کی بنیاد اس لیے رکھی گئی کہ خدا تعالیٰ کے بندے خدائے علیم سے متعارف ہو جائیں اور اس کو جاننے لگیں اور پہچاننے لگیں۔

بیسویں غرض یہاں یہ بیان کی گئی ہے کہ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ یعنی اُمتِ مُسلمہ ہماری ذُرّیت میں سے بنائیو۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بتایا ہے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ جس وقت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم دنیا کی طرف مبعوث ہوں تو آپ کی قوم اُمَّةً مُّسْلِمَةً بننے کی اہلیت رکھتی ہو اور ابراہیمی دعاؤں کے نتیجہ میں وہ اُمّتِ مسلمہ بن بھی جائے گی اور اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ وہ نبی جس کا وعدہ دیا گیا ہے کہ وہ مکّہ میں پیدا ہوگا مگر تم دعا کرتے رہو کہ اے خدا ہماری اور ہماری نسلوں کی کسی غفلت اور کوتاہی کے نتیجہ میں کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے نزدیک ہم اس قابل نہ رہیں کہ وہ وعدہ ہمارے ساتھ پورا ہو بلکہ کسی اور قوم میں وہ نبی مبعوث ہو جائے تو فرمایا میری اولاد کو ہی اُمّتِ مسلمہ بنانا۔ پہلے مخاطب وہی ہوں اور سب کے سب قبول کرنے والے بھی وہی ہوں۔

پس یہاں یہ بتایا ہے کہ وہ اُمّت جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) کی ذرّیت سے پیدا ہونے والی ہے وہ اُمّتِ مسلمہ بنے۔ اُس نبی کا انکار نہ کرے۔ اس نبی پر ایمان لاکر جو ذمّہ داریاں اُن کے کندھوں پر پڑیں وہ ان کو نباہنے کی قوت اور استعداد رکھنے والی ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم ان کو ایسی ہی قوم بنانا چاہتے ہیں اور اسی غرض سے ہم نے خانۂ کعبہ کی ازسرِ نَو تعمیر کروائی ہے۔

اکیسواں مقصد یہاں یہ بیان فرمایا کہ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا اس میں اِس طرف اشارہ فرمایا کہ مکّہ معظّمہ سے ایک ایسا رسُول پیدا ہوگا جو دنیا کی طرف اس وقت آئے گا جب وہ اپنی روحانی اور ذہنی نشوونما کے بعد ایسے مقام پر پہنچ چکی ہوگی کہ وہ کامل اور مکمل شریعت کی حامل بن سکے۔ ایسی شریعت جس میں پہلی شریعتوں کے مقابلہ میں لچک ہو۔ ایسی شریعت جس میں مناسبِ حال عمل کرنے کی تعلیم دی گئی ہو اور ایسی شریعت جو ہر قوم اور ہر زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہو۔ اَرِنَا مَنَاسِکَنَا ہمارے مناسبِ حال جو کام اور جو عبادتیں ہیں، جو ذمّہ داریاں ہیں وہ ہمیں دِکھا اور سِکھا، یعنی قرآنی شریعت کو ہم پر نازل فرما۔

پس اَرِنَا مَنَاسِکَنَا میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب وہ رسول آئے گا اُس کا تعلّق دنیا کی ساری اقوام سے ہوگا اور ہر زمانہ سے ہوگا پس دُعا کرتے رہو کہ اے ہمارے ربّ! قوم قوم کی ضرورتوں اور طبیعتوں میں فرق اور زمانہ زمانہ کے مسائل میں فرق کے پیشِ نظر شریعت ایسی کامل اور مکمل بھیجنا کہ جو ہر قوم کے فطری تقاضوں کو پُورا کرنے والی ہو اور ہر زمانہ کے مسائل کو سلجھانے والی ہو۔ قیامت تک زندہ رہنے والی ہو، تا جس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے خانۂ کعبہ کی بنیاد رکھی ہے وہ پُوری ہو۔

بائیسویں غرض اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ تُبْ عَلَیْنَا۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو آخری شریعت یہاں نازل کی جائے گی اُس کا بڑا گہرا تعلّق ربِّ تَوّاب سے ہوگا اور اس شریعت کے پیرو اس حقیقت کو پہچاننے والے ہونگے کہ توبہ اور مغفرت کے بغیر معرفت کا حصول ممکن نہیں ہے اس لیے وہ بار بار اس کی راہ میں قربانیاں بھی دینے والے ہوں گے اور بار بار اس کی طرف رجوع بھی کرنے والے ہوں گے اور کہیں گے کہ اے خدا! ہماری خطاؤں کو معاف کردے۔ وہ ایسی قوم ہوگی کہ جو نیکی کرنے کے بعد بھی اس بات سے ڈر رہی ہوگی کہ کہیں ہماری نیکی میں کوئی ایسا رخنہ نہ رہ گیا ہو جس سے ہمارا ربّ ناراض ہوجائے۔ وہ ہر وقت اِستغفار اور توبہ میں مشغول رہنے والی قوم ہوگی۔

تیئیسواں مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ کہ ہم محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا مولد اسے بنانا چاہتے ہیں، ہم اسے ایسا مقام بنانا چاہتے ہیں کہ جس کے ماحول میں تضرّع اور ابتہال کے ساتھ، عاجزی اور انکسار کے ساتھ، عشق اور محبّت کے ساتھ کی گئی دعاؤں کے نتیجہ میں ہم اپنے ایک عبد (صلعم) کو محمدیّت کے مقام پر کھڑا کریں گے اور اس کے ذریعہ سے ایک ایسی شریعت کا قیام ہوگا اور ایک ایسی اُمت کو جنم دیا جائے گا کہ جو زندہ نشان اپنے ساتھ رکھتی ہوگی۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِکَ اور زندہ خدا کے ساتھ اور زندہ نبی کے ساتھ اور زندہ شریعت کے ساتھ ان کا تعلق ہوگا اور ان کو کامل شریعت کا سبق دیا جائے گا لیکن نا سمجھ بچّوں کو جس طرح کہا جاتا ہے ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ ہم کہتے ہیں اور تم مانو۔ اللہ تعالیٰ ان کی عقل اور فراست کو تیز کرنے کے لیے اپنے احکام کی حکمت بھی ان کو بتائے گا اس نبی کے ذریعہ۔ اور اس طرح وہ کچھ ایسے پاک کر دیئے جائیں گے کہ اس قسم کی پاکیزگی کسی پہلی قوم کو حاصل نہ ہوئی ہوگی۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہماری عقل بھی تسلیم کرتی ہے کیونکہ اگر پہلی اُمتوں پر نسبتاً ناقص شریعتوں کا نزول ہُوا اور اس ناقص راہ نمائی کے نتیجہ میں اُن کا تزکیہ ہُوا تو وہ تزکیہ کامل نہیں۔ وہ ان کی فطرت کے مطابق، اُن کی استعداد کے مطابق، اُن کی قوّت کے مطابق تو ہے لیکن وہ کامل تزکیہ نہیں ہے کیونکہ جو تعلیم انہیں دی گئی ہے وہ کامل نہیں کیونکہ ان کی استعداد ابھی کامل نہیں پھر جب وہ قوم پیدا ہوگئی جو کامل شریعت کی حامل ہونے کی استعداد رکھتی تھی تو ان میں سے جن لوگوں نے انتہائی قربانیاں دے کر اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اس کے تمام احکام پر عمل کرکے اور تمام نواہی سے بچتے ہوئے اس کے حضور گریہ و زاری میں اپنی زندگی گزاری ان کو جو تزکیۂ نفس حاصل ہوگا محض خدا تعالیٰ کے فضل سے نہ کہ اُن کے اعمال کے نتیجہ میں وہ ایک ایسا کامل تزکیہ ہوگا۔ وہ ایک ایسی مکمّل طہارت اور پاکیزگی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی ایسی خوشنودی اور رضا ہوگی کہ اس قسم کی رضا پہلی قوموں نے حاصل نہیں کی ہوگی۔

پس اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے کہ تیئیسویں غرض بیت اللہ کے قیام کی یہ ہے کہ ایک خیر الرُّسل صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی طرف مبعوث کیا جائے اور پھر انسان کو اس ارفع مقام پر لا کھڑا کیا جائے جس ارفع مقام پر کھڑا کرنے کے لیے ہم نے اسے پیدا کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اپنے فضل سے اُن بندوں میں شامل کرے کہ ہم تو انتہائی طور پر کمزور اور نالائق اور خطاکار اور گنہگار اور ناسمجھ اور شہوات نفسانیہ میں پھنسے ہُوئے ہیں لیکن اگر وہ چاہے اور اس کا فضل ہم پر نازل ہو تو ہر قسم کے گند سے وہ ہمیں اُٹھا کر پاکیزگی کی اُن رفعتوں تک پہنچا سکتا ہے جن کا وعدہ اُس نے اُمّتِ مُسلمہ سے کیا ہے۔

آیندہ خطبات میں انشاء اللہ مَیں ان تیئیس ۲۳ مقاصد اور اغراض کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ جس طرح پورا کیا گیا ہے اُس کی تفصیل بیان کروں گا۔ آہستہ آہستہ مَیں آپ کو اس طرف لا رہا ہوں جس کی طرف مَیں نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ ایک اہم امر کی طرف اللہ تعالیٰ نے میری توجہ کو پھیرا ہے اور جماعتی تربیّت کے لیے وہ پروگرام بڑا ہی اہم ہے۔

بہرحال میں کوشش کر رہا ہوں آپ کو ذہنی طور پر تیار کرنے کی۔ مگر مَیں کیا اور میری زبان میں اثر کیا ؛ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے میری زبان میں اثر پیدا نہ کرے اور آپ کے دلوں کو اس اثر کے قبول کرنے کی توفیق عطا نہ کرے۔ اس لیے آپ دعائیں کرتے رہیں۔ مَیں بھی دعا کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری جماعت سے وہ کام لے جس کام کے لیے اس نے اسے قائم کیا ہے ؛

(الفضل ۳۰ اپریل ۱۹۶۷ء)

تمام اقوامِ عالم کے دینی اور دنیوی فوائد

بیت اللہ کے ساتھ

وابستہ کر دیئے گئے ہیں

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۲۱-اپریل ۱۹۶۷ء
بمقام مسجد مبارک، ربوہ

"بیت اللہ کے قیام کی پہلی غرض اللہ تعالٰی نے وُضِعَ لِلنَّاسِ کے الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ یعنی یہ اللہ کا گھر اس لیے از سرِنو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ہاتھ سے تعمیر کروایا جا رہا ہے کہ تمام اقوامِ عالم کے دینی اور دنیوی فوائد اس بیت اللہ سے وابستہ کر دیئے جائیں"۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى
لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ
كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ
وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: ۹۷-۹۸)

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ
إِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ إِلٰٓى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيْلَ أَنْ طَهِّرَا
بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَإِذْ قَالَ
إِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ أَهْلَهٗ مِنَ
الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ
فَأُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهٗٓ إِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝
وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا
تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَأَرِنَا
مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (بقرہ ع ۱۵)

پھر فرمایا:

مَیں نے گذشتہ دو خطبات میں بتایا تھا کہ اِن آیات میں جو مَیں نے ان خطبات سے پہلے بھی تلاوت کی تھیں اور آج بھی تلاوت کی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ایسے تئیس مقاصد کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور جن مقاصد کا حصول بعثت نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہے۔ اور اگرچہ یہ سب وعدے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے قریباً اڑھائی ہزار سال پہلے دیئے گئے تھے، لیکن یہ باتیں، یہ وعدے اور یہ پیشگوئیاں حقیقی طور پر اس وقت پوری ہوئیں اور یہ سب مقاصد اس وقت حاصل ہوئے جس وقت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم دنیا کی طرف مبعوث ہوئے اور قرآن کریم کی شریعت آسمان سے نازل ہوئی۔

بیت اللہ کے قیام کی پہلی غرض اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جیسا کہ مَیں نے اپنے پہلے ایک خطبہ میں بیان کیا تھا یہ بتائی ہے کہ وُضِعَ لِلنَّاسِ۔ یہ اللہ کا گھر اس لیے از سرِ نو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ہاتھ سے تعمیر کروایا جا رہا ہے کہ تمام اقوام عالم کے دینی اور دُنیوی فوائد اس بیت اللہ سے وابستہ کر دیئے جائیں اور ظاہر ہے کہ یہ اڑھائی ہزار سالہ زمانہ جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ کے درمیان گزرا، اس زمانہ میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ بیت اللہ سے تمام اقوامِ عالم دینی اور دُنیوی فوائد حاصل کر رہی ہیں۔ بہت سی قومیں اُس وقت ایسی بھی تھیں جو بیت اللہ یا مکّہ کے جغرافیہ سے بھی واقف نہیں تھیں۔ اکثر اقوامِ عالم وہ تھیں کہ جن کے دلوں میں بیت اللہ کی کوئی محبّت نہیں تھی۔ وہ اس کی طرف کھنچے ہوئے نہیں آتے تھے۔ ان کی نگاہ میں اس کی کوئی عزّت اور احترام نہیں تھا اور انہیں یہ یقین نہیں تھا کہ بیت اللہ سے بعض ایسی برکات اور فیوض بھی وابستہ ہیں کہ اگر ہم ان کو جانیں اور پہچانیں تو ہم اُن برکات اور فیوض سے حصّہ لے سکتے ہیں، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ظہور ہوا تو یہی گھر جسے دنیا بھول چکی تھی دنیا نے اس کو پہچان لیا اور اس کی برکات کو جان لیا اور دنیا کے دل ہیں، اکنافِ عالم میں بسنے والی اقوام کے سینہ میں اس کی محبّت پیدا ہو گئی اور وہ تمام وعدے پورے

ہونے لگے جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ربّ نے، محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ربّ نے اور ہمارے ربّ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے کیے تھے۔

اب مَیں یہ بتاؤں گا کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ یہ وعدہ (وُضِعَ لِلنَّاسِ کا) کس طرح اور کس شکل میں پُورا ہُوا۔ ظاہر ہے کہ چونکہ وعدہ تمام اقوام کے لیے تھا اور وعدہ یہ تھا کہ تمام بنی نوعِ انسان مکّہ سے برکت حاصل کریں گے اور عقلاً یہ ممکن نہیں کہ شریعت کاملہ کے نزول کے بغیر ایسا ہو اس لیے قرآن کریم کی کامل شریعت کا نزول اس وعدہ کے پُورا ہونے سے قبل ضروری تھا۔ قرآن کریم نے دعویٰ کیا ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتَابُ (البقرۃ : ۳) کہ یہ قرآن ایک کامل اور مکمّل شریعت ہے اور اس دعویٰ کے دلائل قرآن کریم نے یہ دیئے کہ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ رَیب کے چار معنی جو یہاں چسپاں ہوتے ہیں اُن کی رُو سے یہاں ہمارے سامنے چار دلائل بیان کیے گئے ہیں اس بات کے ثابت کرنے کے لیے کہ واقعہ میں یہ قرآن، یہ کتاب ہر لحاظ سے مکمّل، کامل اور اکمل اور اتم ہے۔

رَیب کے ایک معنے کی رُو سے قرآن کریم کی تعریف یہ نکلتی ہے کہ انسان کی رُوحانی اور جسمانی اور معاشرتی اور اخلاقی اور اقتصادی اور سیاسی ضرورتوں کو پُورا کرنے والی صرف یہی ایک کامل کتاب ہے اور یہی ایک کامل کتاب ہے جو فطرتِ انسانی کے سب حقیقی تقاضوں کو پُورا کرتی ہے۔ کیونکہ یہ اپنے ذاتی کمالات اور فضائل اور بے نظیر تعلیمات کے ساتھ اپنی ضرورت اور صداقت کو ثابت کرتی ہے۔ اگر مَیں اس دلیل کو پھر ایک دعویٰ قرار دے کر اس کے دلائل بیان کرنے لگوں تو اس ایک دلیل پر ہی بڑا وقت خرچ ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کو ایک حد تک سمجھنے والے بھی یہ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کے دلائل اور فضائل اور بے نظیر تعلیمات اِس قسم کی ہیں کہ جو تمام پہلی کُتب پر اس کو افضل ثابت کرتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے جب بنی اسرائیل کی الہامی کُتب کے متعلق یہ سوال کیا گیا کہ اُن کے ہوتے ہُوئے قرآن کریم کی کیا ضرورت تھی؟ تو آپ نے یہ جواب دیا کہ سارے قرآن کریم کا نام نہ لو، وہ تو بہت وسیع کتاب ہے بڑے علوم اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ اس کے شروع میں سُورۃ فاتحہ ہے اور سورۃ فاتحہ میں جو معارف اور حقائق دلائل بیان ہوئے ہیں ان معارف اور دلائل کے مقابلہ پر اپنی تمام روحانی کُتب سے اگر تم وہ دلائل اور معارف نکال کر

دکھا دو تو ہم سمجھیں گے کہ تمہاری کتابیں قرآن کریم کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔ اس دعوتِ مقابلہ پر ایک لمبا زمانہ گزر چکا ہے اور کیتھولسزم میں کئی پوپ یکے بعد دیگرے ہوئے اور کیتھولک چرچ کی سربراہی انہیں حاصل ہوئی۔ اسی طرح دوسرے فرقے تھے عیسائیوں کے۔ اُن میں سے کسی ایک کے سربراہ کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ وہ سُورۂ فاتحہ کے مقابلہ میں اپنی کتب سماوی سے اس قسم کے دلائل نکال کر پیش کر سکے، جن کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا دعویٰ تھا کہ ہم اس سورۃ سے نکال کر تمہارے سامنے رکھیں گے۔

پس لَا رَیْبَ فِیْہِ کے ایک معنی یہ ہیں کہ وہ کتاب جو اپنے ذاتی کمالات اور فضائل اور بے نظیر تعلیمات کے ساتھ اپنی ضرورت اور صداقت کو ثابت کر سکتی ہے اور جب آپ سے سوال کیا گیا کہ قرآن کریم کی ضرورت کیا ہے تو اس کا جو جواب دیا گیا اور اس جواب میں جس دعوتِ فیصلہ کی طرف بلایا گیا اس کو آج تک عیسائی فرقوں کے سربراہوں نے قبول نہیں کیا اور اس سے واضح طور پر ثابت ہُوا کہ وہ سُورۂ فاتحہ کے مضامین کے مقابلہ میں اپنی کتب سماوی کے مضامین کو پیش نہیں کر سکتے۔

اَلْکِتٰبُ کامل کتاب ہونے کی دوسری دلیل لَا رَیْبَ فِیْہِ میں اللہ تعالیٰ نے یہ دی ہے کہ قرآنی تعلیم انسان کو ظن اور گمان کے بے آب وگیاہ ویرانوں سے اٹھا کر دلائل اور آیات بیّنات کے ساتھ یقین کی رفعتوں تک پہنچاتی ہے اور یہ خوبی ہمیشہ اس میں قائم رہے گی۔ کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے محفوظ کیا ہُوا ہے۔ رَیْب کے ایک معنی کے لحاظ سے یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے کہ یہ کتاب خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہے۔ شیطانی دجل اس میں راہ نہیں پا سکتا۔ اِس لیے اس کا جو اثر انسان کی رُوح پر آج پڑ رہا ہے وہی اثر اس کا قیامت تک انسان کی روح پر پڑتا چلا جائے گا۔ اس لیے یہ اَلْکِتٰب ایک کامل کتاب ہے۔

لَا رَیْبَ فِیْہِ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کوئی ایسی ہدایت اور صداقت جو ایک کامل کتاب میں ہونی چاہیئے وہ اس سے باہر نہیں رہی۔ اس کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے متعدد مقامات پر غیر اَدیان کو فیصلہ کی طرف بلایا ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا کہ ہستیٔ باری تعالیٰ کے متعلق کوئی ایسی سچّی اور حقیقی دلیل تم اپنی کتابوں سے نکال کر دکھا دو جو میں قرآن کریم سے نکال کر نہ دکھا سکوں۔ پس ہر وہ صداقت جس کا کوئی دوسری کتاب دعویٰ کر سکتی ہے وہ اس کے اندر پائی جاتی ہے اور بہت سی ایسی صداقتیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لیے یہ اَلْکِتٰب ایک کامل کتاب ہے۔

لَا رَیْبَ فِیْہِ کے چوتھے معنی کی رُو سے یہاں یہ دلیل دی گئی ہے کہ اس پر عمل کرکے تو دیکھو تم ہر قسم کے مصائب اور آفات سے محفوظ ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجاؤ گے۔ پھر دنیا کا کوئی دجل یا دنیا کی کوئی طاقت یا دنیا کی کوئی سازش تمھارا حقیقی اور واقعی نقصان نہیں کرسکتی۔ نقصان تو اس وقت ہوتا ہے جب کوئی چیز حقیقۃً ضائع ہو جائے لیکن اگر کسی کے پانچ روپے گم ہو جائیں اور اس کا والد اُس کو کہے کہ پانچ روپے تو تمھارے پانچ روپے کے بدلہ میں میں دیتا ہوں، اور یہ دس روپے اُس تشویش کے بدلہ میں ہیں جو تم کو اُٹھانی پڑی ہے اور اس طرح اسے پندرہ روپے مل جائیں، تو دنیا کا کوئی عقلمند یہ نہیں کہے گا کہ اس کا پانچ روپے کا نقصان ہُوا ہے جبکہ اس کے بدلہ میں اس کو پندرہ روپے مل گئے ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ دعوےٰ کیا کہ تم اس پر عمل کرکے کسی نقصان یا مصیبت میں نہیں پڑو گے۔ یہ نہیں کہا کہ تمھیں کوئی دُکھ نہیں دے سکے گا کیونکہ ایک مومن کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانیاں دینی پڑتی ہیں، لیکن حقیقی مومن اس چیز کو جسے دنیا تکلیف سمجھتی ہے اپنے لیے راحت سمجھتا ہے اور اس کا خدا اور اس کا ربّ اور وہ جو اس کا مالک ہے اور جس کی خاطر وہ یہ تکالیف برداشت کر رہا ہوتا ہے اُس کے سرور کے، اس کی مسرّت کے، اور اس کے آرام کے ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ دکھ دینے والے نے مجھے تھوڑا دکھ دیا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اگر وہ اس سے زیادہ دکھ دیتا تو میرے ربّ کا مجھے اس سے بھی زیادہ پیار حاصل ہو جاتا۔ تو چونکہ یہ ایسی کتاب ہے جس پر عمل کرنے والا حقیقی مومن کبھی بھی گھاٹے میں نہیں رہتا اور اس کے مقابلہ میں جو دوسری کتب ہیں اُن کا یہ حال نہیں اس لیے یہ ثابت ہُوا کہ یہی کتاب اَلْکِتٰب ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں فرمایا کہ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّكُمْ

(النسآء: ع ۲۳)

اے تمام بنی نوعِ انسان سُنو کہ ایک کامل رسول کامل صداقت لے کر تمھارے ربّ کی طرف سے تمھارے پاس پہنچ چکا ہے، تمھارا ربّ جس نے تمھیں ایک خاص مقصد کے لیے پیدا کیا تھا نشو و نما اور ارتقاء کے مختلف مدارج میں سے تمھیں گزارتا ہوا وہ اس مقام پر تمھیں لے آیا ہے کہ اپنی کامل جنتوں میں تمھیں داخل کرے۔ سُن لو کہ یہ رسول آگیا فَاٰمِنُوْا جو وہ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ زبان سے بھی، دل سے بھی اور اپنے جوارح سے بھی تم اسے مانو اور اس کی تعلیم پر عمل کرو گے تم اس کامل رسول پر ایمان لاؤ گے

اور جو اکمل شریعت ہے اس کے مطابق تم اپنی زندگیاں گزارو گے تو تم خیر امت بن جاؤ گے اور جب تم خیر امت بن گئے اور صرف اس وقت تم خیر امت بنو گے تو تم اس قابل ہو گے کہ تمام بنی نوعِ انسان کو فائدہ پہنچا سکو۔ تمہارے ذریعہ سے تمام اقوام اور ہر زمانہ کے لوگ دنیوی اور دینی فوائد حاصل کریں گے جب تک تم اس مقام کو نہیں پاتے ساری دنیا اور دنیا کے ہر حصّہ میں بسنے والی اقوام تم سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتیں اور جب تک تم سے ساری اقوامِ عالم فائدہ نہ اٹھا سکیں اس وقت تک نہیں کہا جا سکے گا کہ تم کو (اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ) تمام دنیا کی بھلائی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اور جب تک تمہارے متعلق یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ تمہیں تمام دنیا کی بھلائی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس وقت تک وہ وعدہ نہیں پورا ہوگا کہ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ اس واسطے اٰمِنُوا تم اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے قرآنی شریعت پر ایمان لاؤ۔ اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالو۔ تم خیرِ اُمّت بن جاؤ گے۔

پس نزولِ قرآن کے ذریعہ وُضِعَ لِلنَّاسِ کا مقصد حاصل ہُوا۔ اللہ تعالیٰ سورۂ آلِ عمران میں فرماتا ہے کہ

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ

(آل عمران : ۱۲ع)

اس آیت میں دراصل یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ابراہیمی پیشگوئی اور وعدہ کے مطابق اُمت محمدیہ بنی نوعِ انسان کے فائدہ کے لیے پیدا کر دی گئی ہے اور ایک اُمت ایسی تیار ہو چکی ہے جو اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ ہے۔ وہ تمام بنی نوعِ انسان کے فائدہ کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس کی دلیل یہاں یہ دی ہے کہ یہ خیرِ اُمّت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ ہے تمام دنیا کی بھلائی کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہ دلیل یُوں ہے کہ اگر آپ تمام دنیا کی شریعتوں پر غور کریں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ تمام شریعتیں اس قوم کی استعداد کے مطابق نازل ہوتی رہی ہیں جس قوم کی طرف ان کو نازل کیا جاتا رہا ہے حضرت نُوح علیہ السّلام کی قوم کی طرف جو شریعت بھیجی گئی اس شریعت سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ حضرت نُوح علیہ السّلام کی قوم کی روحانی استعدادیں اور صلاحیتیں کیا تھیں۔ جو شریعت حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی طرف نازل ہوئی اس سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کی روحانی صلاحیتیں اور استعدادیں کیا تھیں۔ باقی سارے انبیاء کی قوموں کا بھی یہی حال تھا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ

کی طرف سے جو شریعت بھی جس قوم کی طرف نازل کی جاتی ہے، وہ اس قوم کی روحانی صلاحیتوں اور استعدادوں کو مدنظر رکھ کر نازل کی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی فرد یا کسی قوم پر وہ بوجھ نہیں ڈالتا جس کو وہ برداشت نہ کر سکے۔

دوسری حقیقت جو بڑی واضح ہے وہ یہ ہے کہ قرآنی شریعت پہلی تمام شریعتوں کے مقابلہ میں اکمل اور اتمّ اور کامل اور مکمّل ہے۔ اگر آپ پہلی شرائع کے احکام (اوامر و نواہی) کو قرآن کریم کے احکام کے مقابلہ پر رکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم میں چھ سات صد سے زائد احکام (اوامر و نواہی) اس امّت کے لیے نازل کیے گئے ہیں ان کے مقابلہ میں حضرت موسےٰ علیہ السلام پر معدودے چند احکام کا نزول ہوا۔ پھر سینکڑوں ایسے احکام قرآنیہ ہیں جو پہلی کسی شریعت میں بھی ہمیں نظر نہیں آتے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلی شرائع کے احکام (اوامر و نواہی) محدود تھے بوجہ اس کے کہ اس قوم کی استعدادیں محدود تھیں جس کی طرف انہیں نازل کیا گیا تھا اور قرآن کریم کا ایک کامل اور مکمّل شریعت ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ بنی نوع انسان اس زمانہ میں جب قرآن کریم نازل ہوا کامل روحانی استعدادوں کے حامل تھے ورنہ قرآن کریم اُن کی طرف نازل نہ ہوتا۔

پس قرآنی تعلیمات کے کمالات خاصّہ اس اُمّت کے استعدادی کمالات پر شاہد ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم کے جو کمالات ہیں اور ان کی جو وسعت ہے اور اس کی جو شان ہے اُس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قرآن کریم کے مخاطب اپنی استعدادوں میں پہلی تمام اُمّتوں سے بڑھے ہوئے ہیں ورنہ وہ قرآن کریم کے حامل نہیں ہو سکتے تھے یعنی قرآن کریم کے مخاطب اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں میں پہلی سب اُمّتوں سے افضل اور برتر اور بزرگ تر ہیں۔ اور پھر جب یہ استعدادیں اور صلاحیتیں قرآنی تعلیم کی تربیت کے نیچے آئیں تو روح القدس کی معرفت اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قوّت قدسیہ کے نتیجہ میں اور آپؐ کی متابعت کی برکت سے ایسے روحانی وُجود پیدا ہوئے جو اپنی کمیّت اور کیفیت اور صورت اور حالت میں تمام پہلے انبیاء کے روحانی بچّوں سے اکمل و اتمّ ٹھہرے اور جب تک ایسی خیر اُمّت پیدا نہ ہو جاتی کہ کوئی پہلی اُمّت اس کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکتی اور یہ سب سے آگے نہ نکل جاتی اور آیندہ کوئی ایسی اُمّت پیدا نہ ہو سکتی جو اس سے آگے بڑھ جاتی یعنی وہ اپنے عروج اور کمال کو پہنچی ہوئی ہو اس وقت تک وُضِعَ لِلنَّاسِ کا وعدہ پورا نہیں ہوتا تھا، کیونکہ ناقص شریعت کے نتیجہ میں اور ناقص تربیت سے یہ امید نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ تمام اکناف عالم کو فائدہ پہنچانے والی ہو۔ غرض افاضۂ خیر

میں نہ کسی اُمّت نے آج تک اُمّتِ مُسلمہ کا مقابلہ کیا اور نہ کوئی ایسی اُمّت قیامت تک پیدا ہوسکتی ہے جو اُمّتِ مسلمہ کے مقابلہ میں آئے پس اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ اسی ابراہیمی وعدہ کے مطابق تمھیں للنّاس پیدا کیا گیا ہے۔ تمام دنیا تم سے فیوض حاصل کرے گی۔ تم سے برکات پائے گی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ تم خیرِ اُمّت ہو ہر دو لحاظ سے۔ استعداد کے لحاظ سے بھی، اور تربیت کے نتیجہ میں جو رنگ اُسوۂ رسولؐ اور اخلاقِ حسنہ کا تم نے اپنے اُوپر چڑھایا ہے اس کے لحاظ سے بھی۔ اور تم ہی وہ ہو سکتے ہو جن سے ساری دنیا فائدہ اٹھا سکے۔ پس تمھارا خیرِ اُمّت ہوجانا تمھاری صلاحیتوں اور استعدادوں کا اپنے کمال تک پہنچ جانا اور پھر اُن صلاحیّتوں اور استعدادوں کی تربیت کا اپنے کمال تک پہنچ جانا یہ بتاتا ہے کہ وہ وعدہ پورا ہوگیا کہ بیت اللہ کو وُضِعَ لِلنَّاسِ تمام اقوامِ عالم کے فائدہ اور بہبود کے لیے کھڑا کیا گیا ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ انسان تمام بنی نوعِ انسان کو صرف اسی صورت میں فائدہ پہنچا سکتا ہے جب وہ تمام بنی نوع انسان کو اُخوّت اور مساوات کے مقام پر لا کھڑا کرے اور کسی امتیاز یا تفریق کو جائز نہ سمجھے۔ چنانچہ وہ تمام باتیں جو انسانی عزّت اور احترام کو قائم کرنے والی تھیں وہ اُمّتِ مسلمہ کی شریعت میں قرآن کریم یا نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ یا احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ اسلام نے انسان انسان کے درمیان ہر امتیاز اور ہر تفریق کو مٹا کر رکھ دیا ہے اور اس طرح ہر انسان کی عزّت اور توقیر کو قائم کیا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو خطبہ دیا اُس میں آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ:

اَلَا ہوشیار ہو جاؤ کان کھول کر سُنو کہ تمھارا ربّ ایک ہے، وہ ایک ذات ہے جس کی ربوبیت کے نتیجہ میں تمام اقوام مختلف فاصلے طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچ گئی ہیں کہ ان تمام اقوام کی روحانی اور اخلاقی استعدادیں اور صلاحیتیں ایک جیسی ہوگئی ہیں اور اب وہ آخری شریعت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوگئی ہیں۔ تمھارا پیدا کرنے والا ایک ہے۔ اس نے تمھاری جسمانی اور روحانی استعدادوں کو ایک جیسا پیدا کیا ہے۔ قوم قوم میں اس نے فرق نہیں کیا۔ یہ صحیح ہے کہ افراد کا اپنا اپنا ایک ترقی کا دائرہ ہوتا ہے، لیکن قوم قوم میں کوئی تفریق نہیں کی جا سکتی۔ یہ نہیں کہ ایک قوم ذلیل یا حقیر ہے یا اس کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ وہ جسمانی یا روحانی یا علمی یا اخلاقی یا معاشرتی یا اقتصادی ترقی نہیں کر سکتی۔ پس فرمایا کہ ہوشیار ہو جاؤ۔ کان کھول کر سنو کہ

تمھارا ربّ جس نے تمھیں پیدا کیا، جس نے تمھارے قویٰ کو پیدا کیا، جس نے تمھاری صلاحیتوں کو پیدا کیا، جس نے تمھاری استعدادوں کو پیدا کیا، پھر اُن کی ربوبیت کی اور ارتقا کے مدارج میں سے تم کو گزارا اور تمھاری نشوونما کو کمال تک پہنچایا وہ پاک ذات واحد ہے، ایک ہے۔ اور تم یہ بھی یاد رکھو کہ تمھارا باپ بھی ایک ہے یعنی تم سب آدم کی نسل سے ہو۔ غرض تمھارا ربّ پیدا کرنے والا ایک ہے تمھارا باپ آدم ایک ہے۔ اگر تم مختلف باپوں کی اولاد ہوتے تو تم کہتے ہم نے اپنے باپ سے یہ رتبہ حاصل کیا ہے اور ہمارا باپ بزرگ تر اور برتر تھا۔ اس کے ورثہ میں ہمیں از خود یہ برتر رُتبہ مل گیا ہے۔ مگر ایسا کہنا درست نہیں کیونکہ باپ ایک ہے۔ پھر اگر مختلف خدا ہوتے، مختلف ربّ ہوتے تو کوئی قوم کہہ سکتی تھی کہ جس ربّ نے ہمیں پیدا کیا ہے وہ زیادہ طاقتور اور زیادہ عالم اور زیادہ قادر اور زیادہ شفقت کرنے والا اور زیادہ رحم کرنے والا تھا۔ اس نے ہمیں زیادہ دے دیا۔ دوسروں کو پیدا کرنے والا ربّ علم میں زیادہ نہیں تھا۔ اس کی قدرت زیادہ نہ تھی، اس میں رحم زیادہ نہ تھا۔ اس کو اپنی مخلوق کے ساتھ وہ محبّت نہیں تھی جو ہمارے ربّ نے ہم سے کی اس لیے اُن کو کم چیزیں ملی ہیں اس لیے وہ اس لحاظ سے کم تر ہو گئے ہیں مگر جب تمھارا ربّ ایک، جب تمھارا باپ ایک، تو تمھیں یہ جان لینا چاہیئے کہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، نہ کسی سیاہ کو سُرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی سُرخ رنگ والے کو سیاہ فام پر کوئی فضیلت حاصل ہے! اور ایک اور جگہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ نہ کسی سُرخ رنگ والے کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی سفید فام کو سُرخ رنگ والے پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت کا معیار تمھارے ربّ کی نگاہ میں اور ان استعدادوں کے نتیجہ میں جو تمھارے اندر اُس نے پیدا کی ہیں، ایک ہی ہے اور وہ ہے تقویٰ۔ خدا تعالیٰ کی نگاہ میں بزرگ تر وہ ہے جو زیادہ متقی ہے لیکن خدا تعالیٰ کی نگاہ کا تو تمھیں پتہ نہیں۔ ﴿فَلَا تُزَكُّوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ ٱتَّقَىٰٓ﴾ (النجم: ۳۳) جب بزرگی کا انحصار اللہ تعالیٰ کی نگاہ پر ہوا اور ہمیں اس نگاہ کا پتہ نہیں کہ وہ پیار کی ہے یا غضب کی ہے تو پھر ایک دوسرے پر بزرگی نہ جتایا کرو۔ یہ ایک مثال ہے جو میں نے دی ہے ورنہ اسلامی تعلیم ایسے احکام اور تعلیمات سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً اقتصادی لحاظ سے اسلام کسی کی برتری کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ امیر کو یہ کہتا ہے کہ جب تک غربت قائم ہے تیرا تیرے مال پر کوئی حق نہیں۔ جیسے فرمایا: ﴿وَفِىٓ أَمْوَٰلِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَٱلْمَحْرُومِ﴾ (الذّٰریٰت: ۲۰) میرے نزدیک اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ جب تک ضروریاتِ زندگی ہر فردِ قوم کو نہیں مل جاتیں کسی مالدار کا اپنے مال پر حق باقی نہیں رہتا۔ جب ضروریاتِ زندگی پوری ہو جائیں پھر جو باقی بچتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے اُسے جائز راہوں پر خرچ کرنے سے اسلام نہیں روکتا لیکن اگر ہمسایہ بھوکا ہو اور تم پانچ یا سات کھانے کھاؤ تو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا پس کسی لحاظ سے بھی کسی قوم کو بحیثیت قوم کسی دوسری قوم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مثلاً علم کے میدان میں سب دماغ ایک جیسے ہیں۔ ہر قوم میں بڑے اچھی صلاحیت والے ویسے جینیس (GENIUS) قسم کے دماغ بھی ہیں اور ہر قوم میں ذہنی لحاظ سے خر دماغ بھی ہیں۔ ان کی اپنی اپنی صلاحیتیں ہیں لیکن یہ بات غلط ہے کہ کوئی قوم ساری کی ساری علم کے میدان میں خر دماغ ہو اور ایک دوسری قوم ساری کی ساری علم کے میدان میں جینیس (GENIUS) ہو۔

یہ صحیح ہے کہ جو حاکم قومیں ہیں وہ اپنے گدھوں کو بھی رفعت کے مقام پر لے جاتی ہیں مثلاً میرے ساتھ ایک طالب علم آکسفورڈ میں پڑھا کرتا تھا۔ وہاں طریق یہ ہے کہ جو طالب علم پڑھائی میں چل نہ سکے اس کا روپیہ ضائع نہیں کرتے بلکہ ایک ٹرم (TERM) کے بعد جب وہ اپنے گھر جاتا ہے اور اس ٹرم کا نتیجہ نکلتا ہے تو اُسے گھر میں خط بھیج دیتے ہیں کہ تمھیں واپس تشریف لانے کی ضرورت نہیں تم وہیں کام کرو۔ انگریزی میں اسے کہتے ہیں SENT HOME گھر بھیج دیا گیا۔ اتفاقاً میرے گروپ کا ایک لڑکا دوسری ٹرم میں واپس نہ آیا۔ مجھے اس وقت ان کے طریق کا علم نہیں تھا۔ اس لیے میں نے دوستوں سے پوچھا کہ فلاں طالب علم کیوں نہیں آیا؟ کیونکہ مجھے یہ خیال بھی پیدا ہُوا کہ بعض موتیں بھی ہو جاتی ہیں اور پھر حادثات بھی ہو جاتے ہیں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے کہ وہ لڑکا واپس نہیں آیا۔ تو مجھے ایک دوست نے بتایا کہ HE IS SENT HOME اُس کو انھوں نے فارغ کر دیا ہے۔ ۱۹۴۴ء میں جب میں دہلی گیا تو پلیٹ فارم پر اتفاقاً ایک شخص پر نظر پڑی تو معلوم ہُوا کہ یہ وہی لڑکا ہے۔ وہ اس وقت انگریزی حکومت کا ایک بڑا افسر تھا! اس نے مجھے پہچان لیا اور میں نے اس کو پہچان لیا۔ ہم ایک دوسرے سے ملے۔ میں نے دل میں کہا کہ چونکہ اس قوم کو دنیوی اقتدار حاصل ہے اس لیے یہ ہمارے ملک کے محاورہ کے مطابق اپنے گدھوں کو بھی افسر بنا دیتے ہیں اور افسر بھی ہمارے اوپر۔ غرض ہر قوم میں اچھے دماغ بھی ہیں اور بُرے دماغ بھی ہیں۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں آپ کو یہ چیز نہ ملے ۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے سارے دماغ اچھے ہوں اور کوئی قوم ایسی نہیں ہے، جس کے سارے دماغ بُرے ہوں۔ اچھے اوسط درجہ کے اور بُرے سب ہی ہر قوم میں پائے جاتے ہیں۔ غرض اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی امتیاز قائم رکھا جائے بلکہ وہ مساوات قائم کرتا ہے۔ مثلاً تعلیم کے میدان میں دیکھو اسلام علم سیکھنے پر بہت زور دے رہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جتنا جتنا علم کوئی سیکھ سکے جتنی کسی کے اندر صلاحیت اور استعداد ہو اس کے مطابق اس کو علم سکھانا چاہیئے اور اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ کوئی تھرڈ کلاس لڑکا جو رعایتی پاس ہونے والا ہو اس کو وظیفہ نہیں دینا چاہیئے کیونکہ یہ ضیاع ہے لیکن جو ہوشیار طالب علم ہے اس کے دماغ کو ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور قوم کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ غرض اسلام نے انسان انسان میں مساوات کو اور اس کے بعد اُخوت کو قائم کر دیا ہے۔ اس نے دل کے سارے کینوں اور بغضوں کو نکال کے باہر پھینک دیا ہے اور اُس نے کہا ہے تم بھائی بھائی کی طرح ایک دوسرے سے پیار کرو اور پھر اپنی بنیادی تعلیم کو تین بڑے ستونوں پر قائم کیا ہے اور وہ تین ستون عَدْل، اِحْسَان اور اِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی ہیں۔ ہر وہ قوم جو بین الاقوامی حیثیت کی مالک ہو یا وہ رشتے اور تعلقات جو بین الاقوامی ہوں وہ اگر عدل کے اصول پر قائم ہوں اور اس سے بڑھ کر احسان کے اصول پر قائم ہوں اور پھر اس سے بھی بڑھ کر اِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی

کے اصول پر قائم ہوں تو آج دنیا کے سارے فسادات مٹ جاتے ہیں اور دنیا ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھانے لگتی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ یہ سوچتی رہے کہ ہم دوسروں کو کس طرح نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ بنیادی حکم دے کر ہمیں بتایا ہے کہ تم میں سے بعض طبائع عدل سے آگے نہیں نکل سکیں گی۔ انھیں ہم کہتے ہیں کہ تم عدل کے مقام کو چھوڑ کر نیچے نہ گرنا ورنہ تم مسلمان نہیں رہو گے۔ بعض طبائع ایسی ہوں گی جو عدل کے مقام سے اوپر پرواز کریں گی اور احسان کے مقام پر پہنچ جائیں گی لیکن اس سے آگے نہیں جا سکیں گی۔ ان کو ہم کہتے ہیں کہ اگر تم نے احسان کے مقام کو چھوڑ دیا اور باوجود اپنی استعداد کے تم گر کر عدل کے مقام پر آگئے تو یاد رکھو تم اللہ تعالیٰ کی بہت سی ایسی نعمتوں سے محروم ہو جاؤ گے کہ جنھیں تم اس مقام پر قائم رہتے ہوئے حاصل کر سکتے تھے اور یہ کوئی معمولی خسران نہیں ہے بلکہ یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔ پھر تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو ان ہر دو مقام سے اوپر ہو کر اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور پہنچ سکتے ہیں۔ اُن کو ہم کہتے ہیں کہ تم احسان کے مقام پر راضی نہ ہو جانا، ورنہ تم خدا تعالیٰ کی بےنظیر اور بے مثل نعمتوں اور فضلوں اور برکتوں سے محروم ہو جاؤ گے غرض اسلام نے انسان انسان کی مساوات اور اُخوّت اور پیار کو ان تین ستونوں پر قائم کیا ہے۔

اِس وقت کافی دیر ہو گئی ہے مگر میں یہ چاہتا تھا کہ اس مقصد پر تفصیل سے بات ہو جائے کیونکہ یہ مقصد تئیس ۲۳ مقاصد میں سے ایک بنیادی چیز ہے۔ آخری مقصد بھی ایسا ہی اہم ہے۔ بیچ میں سے ہم جلدی نکل جائیں گے۔ اس سلسلہ میں ایک دوست نے خواب بھی دیکھی ہے (انھیں تو اس کی تعبیر سمجھ نہیں آئی تھی) چند دن ہوئے انھوں نے مجھے لکھا کہ میں نے دیکھا کہ میں (اور میرے ساتھ کچھ دوست اور بھی ہیں) قادیان کے اُسی چوک میں ہوں جس میں مسجد مبارک کے اس حصّہ کی سیڑھیاں اُترتی ہیں جو بعد میں بڑھایا گیا تھا (یہاں بہت سارے عزیز بچے ایسے بھی ہوں گے جنھوں نے قادیان دیکھا ہی نہیں اور وہ سمجھ ہی نہیں سکتے، لیکن جنھوں نے قادیان دیکھا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مسجد مبارک کے اس حصّہ کی جو نیا بنا تھا سیڑھیاں ایک چوک میں اُترتی تھیں۔ اس دوست نے لکھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہم اس چوک میں کھڑے ہیں (آپ بڑی تیزی سے آئے ہیں۔ آپ کے چہرے پر بشاشت اور رونق ہے آپ کچھ سیڑھیاں چڑھتے ہیں اور پھر ہماری طرف دیکھتے ہیں۔ پھر کچھ اور سیڑھیاں چڑھتے ہیں اور ہماری طرف دیکھتے ہیں۔ دو دفعہ آپ نے ایسا کیا ہے اور پھر آپ ساری سیڑھیاں چڑھ گئے ہیں۔ پھر آپ نے اذان دی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عصر کی نماز کا وقت ہے اس لیے آپ نمازِ عصر پڑھائیں گے۔ لیکن نماز سے پہلے جو اذان آپ نے دی ہے ہم نے محسوس کیا کہ وہ معمول سے زیادہ لمبی ہے۔ اور یہ حصّہ مضمون جو میں بیان کر رہا ہوں

ایک خاص پروگرام کی طرف بلانے کا ہی رنگ رکھتا ہے۔ تاکہ جس وقت میں اس پروگرام پر آؤں تو آپ پس منظر سے پوری طرح واقفیت حاصل کرنے کے نتیجہ میں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے لگیں (اور اذان کا معمول سے زیادہ لمبا ہونا اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے)

غرض وُضِعَ لِلنَّاسِ ایک مقصد بیت اللہ کی تعمیر کا تھا اور چونکہ یہ اس لحاظ سے بڑا ہی اہم ہے کہ باقی سارے مقاصد کا اس پہلے مقصد کے ساتھ یا پھر جو آخری مقصد رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ الخ میں بیان ہوا ہے اس کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور میں چاہتا تھا کہ اس مقصد کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں تاکہ آپ اچھی طرح سمجھ جائیں کہ وُضِعَ لِلنَّاسِ کی پیشگوئی پوری نہیں ہو سکتی تھی جب تک ایسی امت دنیا میں پیدا نہ ہو جائے جو خیر الامم ہو اور وہ اُمّت پیدا نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ قرآن کریم کی شریعت جو کامل اور اکمل ہے اس کا نزول نہ ہو جائے اور ہر شریعت کا نزول قوم کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے قرآن کریم کی شریعت چونکہ ہر پہلو اور ہر لحاظ سے کامل و مکمّل ہے اس لیے اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں (اور اس کے علاوہ کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے) کہ وہ اقوام جو اس زمانہ میں اور پھر قیامت تک اس کی مخاطب تھیں اور مخاطب رہیں گی وہ اپنی صلاحیتوں اور استعداد کے لحاظ سے قرآن کریم کی حامل ہو سکتی تھیں اور قرآن کریم کی تربیت کو قبول کرنے کے بعد اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فیوض اور برکات سے حصّہ لینے کے بعد اُن کی شکلیں اُن کے حلیے کچھ اس طرح بدلے کہ ایک حقیقت بین نگاہ میں وہ نئے انسان بن گئے یعنی اُن کی جو پہلی شکل تھی یا جو پہلے نقوش تھے ان کا کوئی حصّہ باقی نہ رہا بلکہ نئے نقوش اُبھر آئے جس طرح ریشم کا کیڑا جب ریشم بنا چکتا ہے تو اگر انسان اس کو موقع دے اور ریشم کا وہ جال جو اس نے اپنے ارد گرد بنایا ہوا ہوتا ہے اس میں سے باہر نکل آئے تو وہ پہلا کیڑا نہیں رہتا بلکہ اُس کا پہلا سر، پہلی آنکھیں اور پہلا حلیہ بالکل بدل جاتا ہے پہلے اس کے پَر نہیں ہوتے لیکن ۷ یا ۸ گھنٹوں کے اندر اندر اس کے پَر نکل آتے ہیں، نیا سر پیدا ہو جاتا ہے، نئی آنکھیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بالکل یہی مثال ان لوگوں کی ہے کہ جو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لائے پہلے وہ زمین کے کیڑے تھے اور بعد میں ان کو اللہ تعالیٰ نے نئی بصارت دی نئی آنکھیں دیں، نئے دماغ دیئے۔ پرواز کی نئی قوت عطا کی۔ پھر وہ آسمان کی وسعتوں میں اُڑنے لگے اور جب یہ قوم پیدا ہو گئی تو وُضِعَ لِلنَّاسِ کا وعدہ بھی پورا ہو گیا۔

اس سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ اُس قوم پر جس کو قرآن کریم خیر اُمّت کہہ رہا ہے دنیا کی خدمت کرنے کے سلسلہ میں کس قسم کی ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذمہ داریوں کو نباہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(منقول از روزنامہ الفضل ربوہ۔ مورخہ ۷ مئی ۱۹۶۷ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

کے ذریعہ کعبۃ اللہ کی

عالمگیر برکات کا ظہور

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۵ مئی ۱۹۶۷ء

بمقام مسجد مبارک، ربوہ

"اللہ تعالیٰ چاہتا تھا، کہ کعبہ کو مبارک بنائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ بیت اللہ مبارک بن گیا۔ اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا، کہ یہاں ایک ایسی ہدایت بھیجے جو هُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ ہو۔ شریعت کے کمال کی وجہ سے بھی، اور اپنے افاضہ کے لحاظ سے بھی۔ اور یہ وعدہ بھی قرآنِ کریم کے ذریعہ پُورا ہُوا ہے۔"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور پُرنُور نے آیت اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۃ اٰل عمران : ۹۷) کی تلاوت فرمائی، پھر فرمایا:

مَیں بتا رہا ہوں کہ آیاتِ کریمہ میں جو تئیس ۲۳ مقاصد تعمیر بیت اللہ کے ساتھ تعلّق رکھتے ہیں وہ بعثت نبی (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے کس طرح پُورے ہُوئے۔ پچھلے ایک خطبہ میں وُضِعَ لِلنَّاسِ کی تفسیر اس پس منظر میں مَیں نے پیش کی تھی۔

دُوسرا مقصد جو ان آیات میں بیان ہُوا ہے وہ یہ ہے کہ خانۂ کعبہ مُبارک ہے مَیں نے بتایا تھا کہ مبارک کا لفظ یہاں دو معنوں میں لیا جا سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ خانۂ کعبہ اقوامِ عالم کے نمایندوں کی قیام گاہ بنے گا اور تمام اقوام سے ایسے لوگ یہاں جمع ہوتے رہیں گے، جو رُوحانی میدانوں کے شیر ہوں گے۔ بہادری کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے اَبطال کی یہ قیام گاہ ہوگی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اس معنی میں بیت اللہ ساری دنیا کے لیے نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے قبل مُبَارَکٌ کبھی نہیں ہُوا، یعنی اقوامِ عالم کے دلوں میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے قبل خانۂ کعبہ کی، اِس بیت اللہ کی محبّت اس رنگ میں کبھی پیدا نہیں ہوئی کہ یہ اس کی طرف کھچے چلے آتے اور خانۂ کعبہ میں کوئی ایسا سامان بھی نہ تھا کہ اگر اقوامِ عالم کے نمایندے وہاں پہنچتے تو اُن کے دلوں کی تسکین کا وہ باعث بنتا۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے بعد اس لحاظ سے دنیا کا نقشہ بدل گیا۔ اقوامِ عالم کے دلوں میں ایک طرف بیت اللہ کی محبّت پیدا ہوئی، تو دوسری طرف ایسے سامان بھی پیدا ہوگئے کہ لوگ وہاں جائیں اور روحانی یا منقولی یا عقلی یا دینی علوم سیکھیں اور وہ ایسے علوم ہوں جو تمام قوموں کو ہر زمانہ کے رہنے والوں کو دینی اور دنیوی فوائد پہنچا سکیں تاریخ بڑی وضاحت سے ثابت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے ساتھ اس غرض کو پورا کیا گیا ہے اس لیے اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

دُوسرے معنی مُبَارَکًا کے جو یہاں چسپاں ہوتے ہیں یہ ہیں کہ مکّہ کو مَولد بنایا جائے گا ایک ایسی شریعت کا جس میں وہ تمام بنیادی صداقتیں اور ہدایتیں جمع کر دی جائیں گی جو انبیاءِ سابقین کی شریعتوں میں متفرق طور پر پائی جاتی تھیں۔ صرف قرآن کریم ہی ایک ایسی شریعت ہے جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں نے تمام پُرانی صداقتوں کو اپنے اندر جمع کیا ہُوا ہے۔ قرآن کریم سے قبل کسی شریعت نے بھی ایسا دعویٰ نہیں کیا اور نہ وہ ایسا دعویٰ کر سکتی تھیں، کیونکہ اُن کو نازل کرنے والا خدا جانتا تھا کہ ان شرائع کا نزول خاص قوموں اور ایک خاص زمانہ تک کے لیے ہے۔

قرآن کریم نے یہ دعویٰ مختلف آیات میں کیا ہے جن میں سے بعض میں اس وقت اپنے دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الانعام میں فرماتا ہے وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْہُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (آیت ۱۵۶) یعنی یہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے اور ایک ایسی شریعت ہے جو مُبَارَکٌ ہے تمام آسمانی کتابوں کی خوبیاں اور اُن کی بنیادی صداقتیں گویا بہہ کر اس کے اندر آگئی ہیں۔ اب تم اس کتاب مبارک کی کامل پیروی کرو (اِتَّبِعُوْہُ) اس سے تمہیں دو فائدے پہنچیں گے۔ ایک تو یہ کہ تم خدا کی پناہ میں آجاؤ گے، خدا تمھاری ڈھال بن جائے گا اور وہ تمام شیطانی وساوس سے تمھیں بچائے گا کیونکہ اس کتاب مبارک کی اتّباع کے بغیر تقویٰ کی صحیح راہوں کا عرفان بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اور ان پر چل کر اللہ تعالیٰ کی کامل حفاظت کے اندر بھی انسان نہیں آسکتا اور دوسرا نتیجہ اس کا یہ نکلے گا کہ تُرْحَمُوْنَ اللہ تعالیٰ کے رحم کے تم مستحق ٹھہرو گے اور اس کے انعامات بے پایاں کے نتیجہ میں جسمانی اور روحانی آسودگی تمھیں حاصل ہوگی۔

اسی طرح دوسری جگہ (سورۃ الانعام کی آیت ۹۳ میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَھَا یعنی یہ قرآن عظیم الشان کتاب ہے جسے ہم نے اتارا ہے

پہلی تمام اُمتوں کی ہر قسم کی برکات کی جامع ہے (مُبٰرَکً) اور اُن بشارتوں اور پیشگوئیوں کے مطابق نازل ہوئی ہے جو اس کتاب کے متعلق پہلی کتب میں پائی جاتی ہیں۔ نیز ان تمام شرائع سابقہ کی بنیادی صداقتوں اور ہدایتوں پر مُہرِ تصدیق ثبت کرنے والی ہے (اس کے اندر ان کو جمع کر دیا گیا ہے) اسی طرح ابراہیمی قربانیوں اور دُعاؤں کا یہ ثمرہ ہے، اس لیے تم اہلِ مکّہ اور اہلِ عرب کو خبردار کردو کہ جس اکمل شریعت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا وہ پُورا ہُوا اور موعودہ شریعت تم پر نازل ہوگئی۔ اگر تم اس سے مُنہ پھیر و گے تو جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ تمھیں پہلے سے خبردار کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے غضب کے تم مَورد بنو گے اور عذاب النّار کی طرف گھسیٹ کر تمہیں لے جایا جائے گا۔

اس آیت میں بڑی وضاحت سے یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ مُبٰرَکً کا تعلّق نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات اور ابراہیمؑ کی پیشگوئیوں کے ساتھ ہے۔ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا میں یہ مضمون بڑی وضاحت سے بیان ہُوا ہے۔

تو ہر دو معنے کے لحاظ سے یہ خانۂ خدا مُبَارَکً اس وقت بنا جس وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہوئے۔ دنیا کے دل میں مکّہ کی محبّت پیدا کی گئی اور دنیا کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مکّہ میں شریعتِ اسلامی کا نزول ہُوا۔

تیسری غرض تعمیرِ کعبہ کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کے لیے اسے ہدایت کا مرکز بنایا جائے گا، یعنی یہاں ایک ایسی شریعت نازل ہو گی جس کا تعلّق کسی ایک قوم یا کسی ایک زمانہ کے ساتھ نہ ہو گا بلکہ عٰلَمِیْن کے ساتھ ہو گا۔ تمام اقوام کے ساتھ ہو گا، تمام اکنافِ عالم کے ساتھ ہو گا، تمام جہانوں کے ساتھ ہو گا اور تمام زمانوں کے ساتھ ہو گا۔

اس سلسلہ میں پہلی بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ پہلی کتبِ سماوی کے نزول کے وقت انسان کی کمزور استعدادیں اس لائق نہ تھیں کہ وہ کامل اور مکمّل شریعت کی متحمّل ہو سکتیں۔ اس لیے ان میں سے کسی کا بھی یہ دعویٰ نہ تھا کہ وہ تمام اقوامِ عالم اور ہر زمانہ کے لیے ہیں۔ لِلْعٰلَمِیْنَ ہونے کا دعویٰ (اس معنی میں) قرآن سے پہلے کسی شریعت نے نہیں کیا۔ صرف قرآن کریم نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے، اور صرف محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہی دنیا کو پکار کر کہا کہ مَیں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں۔ قرآن کریم میں بہت سی آیات اس مضمون کی پائی جاتی ہیں۔ مَیں نمونہ کے طور پر چند ایک یہاں بیان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ

اَلْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (سورۃ النحل: آیت ۹۰) یعنی ہم نے تیرے پر وہ کتاب اتاری ہے جس میں ہر ایک چیز اور ہر ایک تعلیم کو بیان کر دیا گیا ہے، جو ہم بنی نوعِ انسان کی روحانی ترقیات کے لیے بیان کرنا چاہتے تھے، یعنی ہمارے علم کامل میں جو تعلیمیں بنی نوع انسان کی اعلیٰ روحانی ترقیات کے لیے ضروری تھیں وہ ہم نے اس کتاب میں بیان کر دی ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (سورۃ الانعام: آیت ۳۹) یعنی بنی نوع انسان کی کامل استعدادوں کی صحیح نشو و نما کے لیے جس چیز کی بھی ضرورت تھی وہ اس میں بیان ہو گئی ہے اور کوئی تعلیم اس کے باہر نہیں رہی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ دعویٰ کیا اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورۃ المائدۃ: آیت ۴) یعنی قرآن کریم کے ذریعہ دین اپنے کمال کو اور روحانی نعمتیں اپنے انتہا کو پہنچ گئی ہیں۔ اب صرف اسلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے "کہ قرآن شریف نے ہی کامل تعلیم عطا کی ہے اور قرآن شریف کا ہی ایسا زمانہ تھا جس میں کامل تعلیم عطا کی جاتی۔ پس یہ دعویٰ کامل تعلیم کا جو قرآن شریف نے کیا یہ اسی کا حق تھا، اس کے سوا کسی آسمانی کتاب نے ایسا دعویٰ نہیں کیا جیسا کہ دیکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ توریت اور انجیل دونوں اس دعوےٰ سے دستبردار ہیں"۔ (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵)

آپ نے تورات اور انجیل کے متعلق جو دعویٰ کیا اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تورات نے تو یہ کہا کہ تمہارے بھائیوں میں سے ایک نبی مبعوث کیا جائے گا وہ خدا کا کامل کلام تمہیں سنائے گا اور جو اس کی نہیں سنے گا اور اس کی اتباع نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سے مواخذہ ہوگا۔ اگر تورات کامل ہوتی تو تورات کے بعد کسی ایسی شریعت کے نزول کا امکان بھی نہ رہتا جس کے نہ ماننے پر اللہ تعالےٰ کے غضب کے نیچے انسان آجاتا۔

اور انجیل نے یہ کہہ کر دستبرداری کا اعلان کیا کہ بہت سی باتیں قابلِ بیان ہیں مگر تم ان کی ابھی برداشت نہیں کر سکتے کیونکہ تمہاری استعدادیں ابھی کامل نہیں ہیں۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "اسلام کی سچائی ثابت کرنے کے لیے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ وہ تعلیم کی رُو سے ہر ایک مذہب کو فتح کرنے والا ہے اور کامل تعلیم کے لحاظ سے کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا" (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۲) کیونکہ ہر

مذہب کو قرآن کریم اور اسلام فتح کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے سامنے یہ اعلان کیا وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل: آیت ۸۲) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں اَلْحَقّ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بھی ہے اور قرآن کریم بھی ہے۔

تو اس آیت کے معنے یہ بنے کہ قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا جلالی ظہور ہوا اور اس جلالی ظہور کے نتیجہ میں شیطان مع اپنے تمام لشکروں کے بھاگ گیا اور اس کی تعلیمیں ذلیل اور حقیر ثابت ہوئیں اور اس کی قائم کردہ بدرسوم اور بدعات شنیعہ کا گند ظاہر ہوگیا اور اس کے گروہ کو بڑی بھاری شکست ہوئی۔

پس قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ اسی غرض کے لیے قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ چنانچہ سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ (آیۃ ۳۳)

ضمناً میں یہ بتا دوں کہ اس آیت میں عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ تک کا جو ٹکڑا ہے قرآن کریم میں تین مختلف جگہوں پر آیا ہے اور ہر سہ جگہ علیحدہ علیحدہ معانی اور مضمون کو بیان کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ وہ خدا ہی ہے جو اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں کامل ہے اُس نے اِس رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اور اس بعثت اور اس ظہور سے غرض یہ ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کہ تمام ادیان پر اس شریعت کی اور اس رسول کی برتری کو وہ ثابت کرے۔ دین حق کی برتری ثابت ہوگی، تو دین لانے والے کی برتری خود بخود ثابت ہو جائے گی۔ یہاں لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کہا گیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ تمام ادیان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا میں موجود تھے لیکن ان کے حلیے اور شکلیں بگڑ چکی تھیں۔ جب بھی وہ اسلام کے مقابلہ پر آئیں گے شکست کھائیں گے۔ قرآن کریم میں ایسے سامان اللہ تعالیٰ نے رکھ دیئے ہیں اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسلامی شریعت کے بعد اگر کوئی جھوٹا دین قائم ہوگا تو اُس کے اوپر بھی یہ غالب آجائے گا۔ کیونکہ یہاں دین کے ساتھ سابقہ ادیان کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی مثلاً بہائی ہیں انھوں نے اپنا نیا دین بنایا قرآن کریم کے مقابلہ میں۔ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ ایسے ادیان جو شریعت اسلامیہ کے بعد پیدا ہوں اُن کا سر کچلنے کی بھی قرآن میں طاقت ہے۔ کیونکہ یہ اس خدا کا کلام ہے جو علّام الغیوب ہے جس کے علم میں ہیں وہ تمام باتیں جو آیندہ ظہور میں آنے والی ہیں۔ تو دینِ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس کے مقابلہ میں نہ اگلے نہ پچھلے کوئی دین بھی ٹھہر نہیں سکتے۔ وہ ہر ایک پر اپنے

عقلی دلائل کے ساتھ اور اپنی روحانی صداقتوں اور ہدایتوں کے ساتھ، اپنی آسمانی تائیدات اور نُصرتوں کے ساتھ غالب آنے کی طاقت رکھتا ہے۔

تو هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہونے کا دعویٰ صرف قرآنِ کریم نے کیا اور عملاً اسے ثابت بھی کیا ہے۔

مَیں نے بتایا تھا کہ ہدایت کے چار معنے لُغت میں بیان ہُوئے ہیں۔ پہلے معنے کے متعلق جو خطبہ چھپا ہے اس میں کچھ تھوڑا سا اِبہام ہے۔ اس کی مَیں وضاحت کر دیتا ہوں۔ ہدایت کے پہلے معنے یہ ہیں کہ عقل اور فراست کو جس راہنمائی کی ضرورت ہے اُسے بھی ہدایت کہتے ہیں۔ یعنے عقل اور فراست میں اور علوم کے حصول میں اور اس کی تحقیق میں بھی انسان میں جو طاقتیں ودیعت کی گئی ہیں محض وہ کافی نہیں بلکہ ان کے لیے بھی آسمان سے کسی ہدایت کی ضرورت ہے۔

تو یہ ہدایت قدرِ مشترک ہے تمام انسانوں میں، اس کا کسی مذہب کے ساتھ تعلّق نہیں ہے۔ اِس قدرِ مُشترک کی راہنمائی بھی قرآن کہتا ہے کہ مَیں کرتا ہوں۔ اور عقل تو خود اندھی ہے اگر نیّرِ الہام اس کے ساتھ نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ بتانے کے لیے کہ جسمانی قابلیتیں اور روحانی استعدادیں کافی نہیں ہوتیں جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو کر آسمان سے اس کی ہدایت کا سامان پیدا نہ کیا جائے بہت سی مثالیں قرآن کریم میں دی ہیں مثلاً ایک مثال یہ دی ہے کہ شہد کی مکھی کو ہم الہام کرتے ہیں اور قرآن کریم کا محض یہ ایک دعویٰ ہی نہیں بلکہ الٰہی تصرّف کے ماتحت انسانی تحقیق نے نہایت لطیف رنگ میں اور بڑی شان کے ساتھ قرآن کریم کے اس دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔ چنانچہ شہد کی مکّھی کے متعلّق جو نئی تحقیق ہوئی ہے اس میں ایک یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ان مکّھیوں کی ملکہ (QUEEN) جب انڈے دے رہی ہو، تو انڈا دیتے وقت اسے یہ الہام ہوتا ہے کہ اس انڈے میں نر بچہ پیدا ہوگا یا مادّہ بچّی ہوگی۔ چھتّے میں مختلف جگہیں مقرر ہیں۔ ایک حصّہ میں ماں وہ انڈے رکھتی ہے جن میں سے نر بچّے پیدا ہونے ہوں اور چھتّے کے ایک دوسرے حصّہ میں اُن انڈوں کو رکھتی ہے جن میں سے مادہ بچّے پیدا ہونے ہوں۔ تو سینکڑوں ہزاروں انڈے ایک مکّھی جسے ملکہ کہتے ہیں دیتی ہے اور ہر موقع پر جب وہ انڈا دے رہی ہو اس کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اس میں سے نر نکلے گا یا مادہ نکلے گی۔

تو اس قسم کی بہت سی مثالوں سے اللہ تعالےٰ نے انسان کو یہ سمجھایا ہے کہ محض اپنی طاقتوں اور قوّتوں اور محض اپنی عقل اور فراست اور محض اپنے علم اور محض اپنی تحقیق پر بھروسہ نہ کرنا جب تک آسمان سے تمہارے لیے ہدایت نازل نہ ہو تم کسی میدان میں

کبھی حقیقی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے اور چونکہ عقل تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور وہ جو خدائے تعالیٰ کے بتائے ہوئے قوانین پر عمل پیرا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو الہام کرتا ہے اور نئے سے نئے مضامین اُن کے دماغ میں ڈالتا ہے عقلی میدان میں، علم کے میدان میں خواہ کوئی مسلمان ہو یا عیسائی ہو یا دہریہ ہو یا کسی مذہب کے ساتھ یا کسی بد مذہبیّت کے ساتھ یا لامذہبیّت کے ساتھ اس کا تعلّق ہو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے عقل کو مشترک ورثہ بنا کر انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ قرآن یہ کہتا ہے کہ علاوہ بعض دوسری ہدایتوں کے جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں ہم عقل کی بھی راہنمائی کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو بڑے لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ وحی و الہام کے ذریعہ انسانی عقلوں کو اللہ تعالیٰ تیز کرتا ہے اور پھر ذہن رسا سے جو علوم پرورش پاتے ہیں، قرآن کریم ان سے خادموں کی طرح خدمت لیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ:۔

"خدائے تعالیٰ کی ہستی اور خالقیّت اور اس کی توحید اور قدرت اور رحم اور قیّومی اور مجازات وغیرہ صفات کی شناخت کے لیے جہاں تک علومِ عقلیہ کا تعلق ہے استدلالی طریق کو کامل طور پر استعمال کیا ہے اور اس استدلال کے ضمن میں..... تمام علوم کو نہایت [illegible]ت و موزوں طور پر بیان کیا ہے..... اور..... علوم مذکورہ سے ایک ایسی شائستہ خدمت لی ہے جو کبھی کسی انسان نے نہیں لی" (سُرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۴-۲۵ حاشیہ)

اور یہ قرآن کریم کا کمال ہے کہ باقی ادیان تو رائج الوقت علوم کے سامنے دب سکتے ہیں لیکن اسلام ہی ایک ایسا دین ہے اور قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو کسی عقلی علم کے سامنے دبتی نہیں۔ بلکہ اس کو خادم سمجھتی اور اس سے خدمت لیتی ہے۔

ہدایت کے دوسرے معنے شریعت کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو۔ تو ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ کے معنے یہ ہوں گے وہ شریعت جو عٰلَمِیْن کے لیے، تمام جہانوں اور تمام زمانوں کے لیے ہے اور صرف قرآن کریم ہی ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو مخاطب کر کے فرمایا اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (سورۃ الاعراف: ۱۵۹) قرآن کریم بھرا پڑا ہے اس مضمون سے کہ وہ تمام جہانوں اور تمام زمانوں کے لیے ہے۔ یہ صرف ایک دعویٰ نہیں بلکہ ایک ناقابلِ تردید

صداقت ہے جس کی وضاحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں سنیئے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"جس قدر معارفِ عالیۂ دین اور اس کی پاک صداقتیں ہیں اور جس قدر نکات و لطائفِ علم الٰہی ہیں جن کی اس دنیا میں تکمیلِ نفس کے لیے ضرورت ہے، ایسا ہی جس قدر نفسِ امّارہ کی بیماریاں اور اس کے جذبات اور اس کی دوری یا دائمی آفات ہیں یا جو کچھ اُن کا علاج اور اصلاح کی تدبیریں ہیں اور جس قدر تزکیہ و تصفیۂ نفس کے طریق ہیں اور جس قدر اخلاقِ فاضلہ کے انتہائی ظہور کی علامات و خواص و لوازم ہیں یہ سب کچھ باستیفائے تام قرآنِ مجید میں بھرا ہُوا ہے اور کوئی شخص ایسی صداقت یا ایسا نکتۂ الٰہیہ یا ایسا طریق وصول الی اللہ یا کوئی ایسا نادر یا پاک طور مجاہدہ و پرستشِ الٰہی کا نکال نہیں سکتا جو اس پاک کلام میں درج نہ ہو"۔ (سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۶ حاشیہ)

اِس کی تفصیل آگے حضورؑ نے بیان فرمائی ہے۔ پس قرآن کریم کا ہی یہ دعویٰ ہے کہ انسانی نفس کو روحانی کمالات تک پہنچانے کے لیے جس جس ہدایت اور صداقت کی ضرورت تھی وہ سب میرے اندر پائی جاتی ہیں، اگر تم میری اتّباع کروگے تو روحانی بیماریوں سے محفوظ ہو جاؤ گے اور روحانی ترقیات کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے اور تم اپنے نفس کا کمال حاصل کر لو گے۔

اور ہر وہ شریعت جس کا یہ دعویٰ ہو عقلاً اُس کا یہ دعویٰ بھی ہونا چاہیئے کہ غیر متناہی رفعتوں کے دروازے میں تم پر کھول رہی ہوں اور قرآن کریم نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کیونکہ قرآن کریم کے شروع میں ہی کہا کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورۃ البقرہ: آیت ۳) کہ کوئی تقویٰ کے کسی بلند اور ارفع مقام تک ہی کیوں نہ پہنچ جائے قرآنِ کریم اس پر تقویٰ کی مزید راہیں کھولتا ہے۔ پھر وہ آگے جاتا ہے۔ پھر وہ مزید بلندیوں کو حاصل کرتا ہے۔ پھر اس سے بھی بلند تر روحانی رفعتیں اس کے سامنے آتی ہیں۔ پھر وہاں تک پہنچنے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور قرآن کریم اس کی اُنگلی پکڑتا ہے اور کہتا ہے تم میری اتباع کرو میں تمھیں ان مزید رفعتوں تک بھی لے جاؤں گا۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلا جاتا ہے اور اس کی انتہا نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو دو طرح بیان فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

پر اللہ تعالیٰ کے بے انتہا فیوض ہیں۔ ان فیوض کی حد بندی نہیں کی جا سکتی اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فیضان حضرت احدیّت کے بے انتہا ہیں اس لیے درود بھیجنے والوں کو کہ جو ذاتی محبت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے برکت چاہتے ہیں بے انتہا برکتوں سے بقدر اپنے جوش کے حصّہ ملتا ہے۔ اسی ضمن میں آپؑ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ

"مَیں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فیوض عجیب نوری شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاتے ہیں اور پھر وہاں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں سے نکل کر اُن کی لا انتہا نالیاں ہوتی ہیں اور بقدرِ حصّہ رسدی ہر حقدار کو پہنچتی ہیں"۔

(اخبار "الحکم" ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۷۔ بحوالہ "تذکرہ" طبع دوم صفحہ ۴۷۷)

تو قرآنِ کریم یا اسلام کا یہ دعویٰ کہ میں ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہوں انسانی نفس کو اس کے کمالات تک پہنچانے والا ہوں، یہ اس طرح پورا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود خدائے تعالیٰ کی نگاہ میں ایک ایسا پاک وجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیر محدود رحمتیں آپ پر نازل ہوتی رہتی ہیں یا یُوں کہنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی صفات کے غیر محدود جلوے آپؐ پر ہر آن ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ تو جو شخص بھی آپؐ سے محبت کرے گا اور آپؐ کے لیے برکت اور رحمت اور سلام چاہے گا اللہ تعالیٰ اُسے ذاتی محبت کے بدلے کے طور پر ان تمام فیوض سے حصّہ رسدی دیتا چلا جائے گا۔ اور جب وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کچھ حاصل کرلے گا اس عرفان کے ساتھ کہ یہاں سے غیر محدُود برکتیں حاصل کی جا سکتی ہیں تو مزید برکتیں آپؐ سے حاصل کرنے کے لیے اس کے دل میں خواہش پیدا ہوگی اور وہ زیادہ جوش کے ساتھ اور زیادہ قلبی محبت کے ساتھ آپؐ پر درود بھیجنے لگے گا اور پھر زیادہ برکات کا اس پر نزول شروع ہو جائے گا۔

اور دوسرے قرآنِ کریم کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ قرآنِ کریم کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ مَیں غیر محدُود انوار کے، مَیں غیر محدود برکات کے، مَیں غیر محدود مقاماتِ قرب کے دروازے اپنے ماننے والوں اور قرآن کریم کی اتباع کرنے والوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار کرنے والوں پر کھولتا ہوں، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥ (سورة التحریم : آیت ۹) اِس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام کی اتّباع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے نتیجہ میں اس دنیا میں نُور عطا ہوتا ہے، وہ نُور جس طرح اس دنیا میں ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے اور رُوحانی راہوں کو اُن پر روشن کرتا رہتا ہے اسی طرح دوسری دنیا میں بھی یہ نُور مومن سے جدا نہیں ہوگا اور یہ نہ سمجھ لینا کہ قرآن کریم کی کامل اتّباع کے نتیجہ میں صرف اس دنیا میں غیر محدود رحمتوں کے دروازے کھلتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی ان رحمتوں پر کوئی حد بندی نہیں لگائی جا سکتی۔ اس وقت بھی رحمتوں کے یہ دروازے کھُلے رہیں گے کیونکہ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ جو اس دنیا میں اندھا ہوگا وہ اُس دنیا میں بھی بینائی کے بغیر ہوگا۔ یہاں اس کے مقابل یہ مضمون بیان ہُوا ہے کہ جو اس دنیا میں روشنی اور نُور رکھتا ہوگا وہ نُور اُس دنیا میں بھی اس کے ساتھ جائے گا۔ اور یہ نہیں کہ اِس دنیا میں روحانی ترقی کے دروازے تو ایسے شخص پر کھُلے رہیں گے لیکن اُس دنیا میں وہ بند ہو جائیں گے اور وہاں جا کے فصل کٹنے کے بعد جو اس کے پھلوں کے کھانے کا وقت ہوتا ہے، صرف ویسا ہی وقت ہوگا۔ پھر اور مزید ترقی اُسے نہیں ملے گی۔ یہ بات نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی رُوح کے لیے ایسے سامان پیدا کر دیئے ہیں کہ جو نُور وہ قرآن کریم کی متابعت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس دنیا میں حاصل کرتا ہے مرنے کے بعد بھی وہ اس کے ساتھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ وہاں بھی اُس کی ترقیات کے دروازے کھولتا رہے گا اور اس کی راہوں کو روشن کرتا چلا جائے گا۔ اور کبھی بھی روحانی ترقیات کی اس راہ نے ختم نہیں ہونا۔ کیونکہ بندے اور خدا کے درمیان جو فاصلے ہیں اُن کی انتہا نہیں پس بندے اور خدا کے درمیان جو مقاماتِ قُرب ہیں اُن کی حد بندی اور تعیین کیسے کی جا سکتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"اِس آیت میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے کہ ہمارے نور کو کمال تک پہنچا۔ یہ ترقیاتِ غیر متناہیہ کی طرف اشارہ ہے یعنے ایک کمال نُورانیت کا اُنھیں حاصل ہوگا، پھر دوسرا کمال نظر آئے گا۔ اس کو دیکھ کر پہلے کمال کو ناقص

پائیں گے۔ پس کمالِ ثانی کے حصول کے لیے التجا کریں گے اور جب وہ حاصل ہوگا تو ایک تیسرا مرتبہ کمال کا ان پر ظاہر ہوگا۔ پھر اس کو دیکھ کر پہلے کمالات کو ہیچ سمجھیں گے اور اس کی خواہش کریں گے۔ یہی ترقیات کی خواہش ہے جو اَتْمِمْ کے لفظ سے سمجھی جاسکتی ہے۔ غرض اسی طرح غیر متناہی سلسلہ ترقیات کا چلا جائے گا۔ تنزل کبھی نہیں ہوگا"۔ ("اسلامی اصول کی فلاسفی" روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۱۲-۴۱۳)

تو قرآنِ کریم نے ایسا دعویٰ بھی کیا، قرآن کریم نے ایسا کر کے بھی دکھایا۔ یعنی ہزاروں لاکھوں مُقدّس بندے خدا تعالیٰ کے اسلام میں ایسے پیدا ہوئے جنھوں نے اسلام سے نُور حاصل کر کے، جنھوں نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت سے روشنی حاصل کر کے، جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے عشق سے ایک چنگاری لے کر ایسا نُور حاصل کیا کہ وہ اس دنیا میں غیر متناہی ترقیات کے حامل ہوئے اور جو اُنھیں اُخروی زندگی میں ملے گا جس کا وعدہ ان سے کیا گیا ہے، اُس کا تو ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ احادیث میں بیان ہوا ہے کہ وہ ایسی عجیب نعمتیں ہیں کہ ان کا تصوّر بھی انسان یہاں نہیں کر سکتا۔

ہدایت کے چوتھے معنے جیسا کہ مَیں نے بتایا تھا انجام بخیر ہونے کے ہیں یعنی جنّت کے مل جانے کے۔ اور مقصدِ حیات کے حصول کے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ (سورۃ البقرۃ: آیت ۶) کہ وہ لوگ جو قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کرنے والے ہیں اس پر وہ مضبوطی سے قائم ہیں اور ان کے ربّ کی ربوبیتِ کاملہ نے جس کامل ہدایت کو نازل کیا وہ اس ہدایت کے اوپر قائم ہیں۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ فلاح عربی زبان میں کامل کامیابی کو کہتے ہیں کہ جس کے مقابلہ میں کوئی کامیابی، کامیابی نہیں رہتی جس میں کسی قسم کا کوئی نقص نہ ہو جس میں کسی قسم کی کوئی خامی نہ ہو۔ جو بھرپور کامیابی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے ربّ کی (جو انسان کی ربوبیت کرتا ہوا محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وقت میں ایک خاص بلند مقام پر اُن کو لے آیا اور کامل استعدادیں اور کامل صلاحیتیں اُن کو عطا کیں) ہدایت پر قائم ہیں۔ وہ ایک حقیقی اور کامل فلاح اور کامیابی کو پاتے ہیں اور پہلی تمام امتوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔

تو اس وقت اس خطبہ میں میں نے تعمیرِ کعبہ سے تعلّق رکھنے والے دو مقاصد کے متعلق کچھ بیان کیا ہے۔ ایک یہ کہ (مُبٰرَکًا) اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ کعبہ کو مبارک بنائے۔ نبیِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کے ساتھ ہر دو معنی میں بیت اللہ مبارک بن گیا اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ یہاں ایک ایسی ہدایت بھیجے جو ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ہو۔ شریعت کے کمال کی وجہ سے بھی۔ اور اپنے افاضہ کے لحاظ سے بھی۔ اور یہ وعدہ بھی قرآن کریم کے ذریعہ پُورا ہُوا ہے۔ ورنہ مکّہ میں تو کوئی اور شریعت تھی ہی نہیں۔ لیکن جو دوسری شریعتیں ہیں اُنھوں نے بھی نہ یہ دعویٰ کیا اور نہ وہ یہ دعویٰ کر سکتی تھیں۔ قرآن کریم نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے اور قرآن کریم نے اس دعویٰ کو عملی میدان میں ثابت بھی کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام میں ہزاروں لاکھوں ایسے مقدّس وجود پیدا ہُوئے جن کی زندگیاں دلیل ہیں اس بات پر کہ جو بھی قرآن کریم کی اتباع کرتا اور اس ہدایت کے پیچھے چلتا ہے جسے خدا تعالیٰ نے ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ قرار دیا ہے وہ خدا تعالیٰ کی انتہائی برکتوں سے حصّہ لیتا ہے اور اس کا انجام بخیر ہوتا ہے اور انسانی نفس کو کمال تک پہنچانے کے لیے اور اس کے تزکیہ کو پورا کرنے کے لیے جس چیز کی بھی ضرورت ہے وہ قرآنِ کریم میں پائی جاتی ہے کیونکہ اُن لوگوں نے قرآنِ کریم پر عمل کیا اور خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ان کا وجود مبارک اور کامل وجود بنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت اس بات پر گواہ ہے کہ فی الواقع یہ لوگ خدا تعالیٰ کے مقرّب بندے ہیں اور روحانی میدانوں میں ہر لحظہ اور ہر آن اُن کا قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس گروہ میں شامل کرے۔

(منقول از روزنامہ "الفضل" ۴ ار مئی ۱۹۶۷ء)

بیت اللہ

ایسی آیاتِ بیّنات اور تائیداتِ سماوی کا منبع ہے

جو

ہمیشہ زندہ رہیں گی

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۱۲ مئی ۱۹۶۷ء

بمقام مسجد مبارک، ربوہ

"حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ خدا کا یہ گھر
ایسی آیات بیّنات اور ایسے نشانات اور تائیداتِ سماوی کا منبع بنے گا۔
جو ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گی، یعنی اس تعمیر سے ایسی اُمّتِ مُسلمہ کا قیام مدِّنظر
تھا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے نشان قیامت تک دنیا پر ظاہر ہوتے رہیں۔"

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تشہد، تعوّذ اور فاتحہ شریف کے بعد حضور پُرنُور نے آیت فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ (سورۃ آل عمران: ۹۸) تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا:

مَیں اپنے خطبات میں اُن تئیس مقاصد کے متعلّق بیان کر رہا ہوں، جن کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی بنیادوں کو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ذریعہ اُٹھوایا تھا۔ اور یہ بتا رہا ہوں کہ کس طرح نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ ان اغراض کو پورا کیا گیا۔ تین مقاصد کے متعلّق میں اپنے پچھلے خطبات میں دوستوں کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کر چکا ہوں۔

چوتھی غرض تعمیر کعبہ سے یہ تھی یا یُوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا چوتھا وعدہ یہ تھا کہ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ۔ مَیں نے بتایا تھا کہ اس فقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ خدا کا یہ گھر ایسی آیات بیّنات اور ایسے نشانات اور تائیداتِ سماوی کا منبع بنے گا جو ہمیشہ کے لیے زندہ رہیں گی، یعنی اس تعمیر سے ایسی اُمّتِ مُسلمہ کا قیام مدّنظر تھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے نشان قیامت تک دنیا پر ظاہر ہوتے رہیں۔

قرآنِ کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ صرف اسی کی اتّباع کے نتیجہ میں قیامت تک کے لیے یہ دروازہ کھولا گیا ہے اور یہ کہ ہر قوم اور ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو اس کی برکتوں سے حصّہ لیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنے نشانوں کو ظاہر کرتا رہے گا۔

"آیات بینات" پہلے انبیاء کو بھی دیئے گئے تھے لیکن وہ ایسی آیات بیّنات تھیں جن کا تعلق صرف ان کی قوم اور ان کے زمانہ سے تھا۔ تمام بنی نوعِ انسان سے ان کا تعلّق نہ تھا اور ہر زمانہ سے ان کا واسطہ نہ تھا۔ لیکن ان

آیات میں تو مضمون ہی یہ بیان ہوا ہے کہ یہ وہ مقاصد ہیں جن کا تعلق تمام بنی نوعِ انسان کے ساتھ ہے۔ ہر قوم اور ہر زمانہ کے ساتھ ہے۔ اسی لیے اس مضمون کی ابتدا ہی اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ میں لِلنَّاسِ کے ساتھ کی گئی ہے۔

تو اگرچہ آیات بیّنات پہلی اُمتوں کو بھی دیئے گئے، لیکن ایسی آیات بیّنات جن کا تعلق ہر قوم اور ہر زمانہ سے تھا وہ صرف اور صرف محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے بَلْ هُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ○ (سورۂ عنکبوت آیت ۵۰) اِس آیۂ کریمہ میں یہ مضمون بیان ہُوا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی قوّتِ قدسیہ سے ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جنھیں کامل علم اور کامل معرفت عطا ہوتی رہے گی اور اس کامل معرفت کے نتیجہ میں اُن کے دلوں میں اپنے ربّ کے لیے کامل خوف بھی پایا جائے گا۔ اور اس کے نتیجہ میں ان کے دلوں میں اپنے ربّ کے لیے کامل محبّت بھی پیدا کی جائے گی اور وہ اپنے ربّ کی قدر کرنے والے ہوں گے۔ تو ایسے لوگ چونکہ پیدا ہوتے رہیں گے، اس لیے وہ آیات بیّنات جن کا قرآن کریم کے ساتھ بڑا گہرا تعلّق ہے بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم مجسّم ہے آیات بینات سے۔ وہ اُن کے سینوں سے نکلتے رہیں گے اور (قرآن عظیم کی) اس روشنی سے دنیا ہمیشہ منور ہوتی رہے گی لیکن کچھ لوگ اُمّتِ مُسلمہ میں ایسے بھی پیدا ہوں گے جو ظالم ہوں گے۔ اور قرآنِ کریم کے فیوض کے ان دروازوں کو اپنے پر بند کرنے والے ہونگے۔ ایسے لوگوں کے ذریعہ سے بے شک اللہ تعالیٰ کی آیات بیّنات ظاہر نہیں ہونگی لیکن اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی وہ لوگ جنھیں کامل علم عطا کیا جائے گا وہ ہمیشہ اُمّتِ مُسلمہ میں پیدا ہوتے رہیں گے اور آیات بیّنات کا دروازہ قیامت تک اُمّتِ مُسلمہ پر کھُلا رہے گا۔

یہ صرف ایک دعویٰ ہی نہیں، بلکہ تاریخ اسلام شاہد ہے اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی سچائی اور محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت ثابت کرنے کے لیے زمین اور آسمان اور ہر زمانہ کو نشانوں سے بھر دیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں :۔

"دوسری علامت سچّے مذہب کی یہ ہے کہ مُردہ مذہب نہ ہو بلکہ جن برکتوں اور عظمتوں کی ابتدا میں اس میں تخم ریزی کی گئی تھی وہ تمام برکتیں اور عظمتیں نوعِ انسان کی

بھلائی کے لیے اس میں اخیر دنیا تک موجود رہیں تا موجودہ نشان گذشتہ نشانوں کے لیے مصدّق ہو کر اس سچائی کے نُور کو قصّہ کے رنگ میں نہ ہونے دیں۔ سو میں ایک مدّت دراز سے لکھ رہا ہوں کہ جس نبوّت کا ہمارے سیّد و مولا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دعویٰ کیا تھا اور جو دلائل آسمانی نشانوں کے آنجناب نے پیش کیے تھے وہ اب تک موجود ہیں اور پیروی کرنے والوں کو ملتے ہیں تا وہ معرفت کے مقام تک پہنچ جائیں اور زندہ خدا کو براہِ راست دیکھ لیں۔"

("تبلیغ رسالت" جلد ۶ صفحہ ۱۴۔ اشتہار مورخہ ۱۴ر جنوری ۱۸۹۷ء)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام "تصدیق النبی" میں فرماتے ہیں:۔

"چوتھا معجزہ قرآن شریف کا اس کی روحانی تاثیرات ہیں جو ہمیشہ اس میں محفوظ چلی آتی ہیں یعنی یہ کہ اس کی پیروی کرنے والے قبولیّتِ الٰہی کے مراتب کو پہنچتے ہیں اور مکالماتِ الٰہیہ سے مشرّف کیے جاتے ہیں، خدائے تعالیٰ اُن کی دُعاؤں کو سُنتا اور انھیں محبّت اور رحمت کی راہ سے جواب دیتا ہے اور بعض اسرارِ غیبیہ پر نبیوں کی طرح اُن کو مطّلع فرماتا ہے اور اپنی تائید اور نُصرت کے نشانوں سے دوسری مخلوقات سے اُنھیں ممتاز کرتا ہے۔ یہ بھی ایسا نشان ہے جو قیامت تک اُمّتِ محمدیّہ میں قائم رہیگا اور ہمیشہ ظاہر ہوتا چلا آیا ہے اور اب بھی موجود اور متحقّق الوجود ہے۔" (ص۲۳)

اسی طرح "کتابُ البریّہ" میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

"جس قدر اسلام میں، اسلام کی تائید میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سچائی کی گواہی میں آسمانی نشان بذریعہ اس اُمّت کے اولیاء کے ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں ان کی نظیر دوسرے مذاہب میں ہرگز نہیں۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کی ترقی آسمانی

نشانوں کے ذریعہ سے ہمیشہ ہوتی رہی ہے اور اس کے بے شمار انوار اور برکات نے
خدا تعالیٰ کو قریب کر کے دکھلا دیا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ اسلام اپنے آسمانی نشانوں کی وجہ سے
کسی زمانہ کے آگے شرمندہ نہیں۔"

(کتاب البریۂ صفحہ ۶۷ طبع اول، وصفحہ ۹۲ روحانی خزائن جلد ۱۳)

اس کے بعد اسی جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اپنا وجود دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کی تعداد میں ان آیات بیّنات کو ظاہر فرمایا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا وجود، آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اسلام کی صداقت پر ایک زندہ گواہ تھا۔ تازہ بتازہ نشان آسمان سے بارش کی طرح اُتر رہے تھے اور صرف وہ آنکھ جس پر تعصّب کی پٹّی بندھی ہوئی تھی ان نشانوں کے دیکھنے سے محروم تھی۔ ذرا سی عقل رکھنے والا، سمجھ رکھنے والا جو بے تعصّب تھا وہ ان نشانوں سے انکار نہیں کر سکتا تھا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر ان آیات بیّنات کا خاتمہ نہیں ہو گیا۔ بلکہ احیاءِ دین کے نتیجہ میں ایک تازگی اسلام کے اندر پیدا ہوئی اور وہ دروازہ جو بعض لوگوں نے اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے پر بند کر دیا تھا، حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ثابت کیا کہ وہ کھلا ہے بند نہیں ہے۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے ذریعہ نشانوں کا یہ سلسلہ جاری رہا ہے۔ حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کی زندگی اُن لوگوں کی زندگی تھی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اُوْتُوا الْعِلْمَ آیۂ مذکورہ میں بیان کیا ہے۔ یہی حال حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا تھا۔ سینکڑوں اور ہزاروں نشان دنیا نے آپ کے ذریعہ دیکھے۔ اور اب بھی یہ دروازہ بند نہیں ہے۔ ابھی چند دن کی بات ہے نماز فجر سے قبل مَیں استغفار میں مشغول تھا۔ ایک خوف سا مجھ پر طاری تھا اور مَیں اپنے ربّ سے اس کی مغفرت کا طالب ہو رہا تھا۔ اس وقت اچانک میں نے محسوس کیا کہ ایک غیبی طاقت نے مجھے اپنے تصرّف میں لے لیا ہے۔ اور میری زبان پر یہ الفاظ جاری ہوئے "قیامِ دین" اور پھر ایک دھکّے کے ساتھ جس نے میرے سارے جسم کو ہلا دیا مَیں پھر بیداری کے عالم میں آگیا اور اس کی تفہیم مجھے یہ ہوئی کہ موجودہ سلسلۂ خطبات کے ذریعہ جو پروگرام مَیں جماعت کے سامنے رکھنے والا ہوں اُس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کو قائم کرے گا۔ اس کے استحکام کے سامان پیدا کرے گا انشاء اللہ۔

تو ہزاروں نشانات ہیں جن کا سلسلہ خلافتِ مسیح محمدی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے جاری کیا ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ چونکہ خلیفۂ راشد فنا اور نیستی کے مقام پر ہوتا ہے اس لیے عام طور پر وہ ایسی باتوں کا اظہار نہیں کیا کرتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبّت کے اظہار کی باتیں ہوتی ہیں۔ سوائے ایسی باتوں کے جن کا تعلّق سلسلہ کے ساتھ ہو اور جن کا بتایا جانا ضروری ہو۔ بلکہ اپنے تجربہ کی بناء پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ خلفائے راشدین کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ منع کرتا رہا ہے کہ اپنے مقامِ قُرب کا کُھل کر اظہار نہ کیا کریں اور اپنے ذاتی تجربہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ایک فرمان اور تاریخی گواہیوں کے پیشِ نظر میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ تاریخ نے خلفاء راشدین سابقین کی صرف چند "آیات بیّنات" محفوظ کی ہیں۔ مثلاً میرے خیال میں پانچ دس سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نشانات بیان نہیں کیے، یعنی جو پیش خبریاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی گئیں یا جو بشارتیں آپ کو دی گئیں اُن میں سے چند ایک تاریخ میں محفوظ ہیں، زیادہ نہیں ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے کہ ہزارہا پیش خبریاں اور مکالمے مخاطبے ان بزرگ خلفاء راشدین سے ہوئے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا فرمان تو حق اور صداقت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن تاریخ خاموش ہے نتیجہ یہ نکالنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ ان باتوں کا پبلک میں اظہار نہیں کیا کرتے تھے۔ سوائے ضرورت کے وقت کے۔ سوائے اُن باتوں کے جن کا سلسلہ کے نظام سے تعلّق ہو۔ اور ان کا بتایا جانا ضروری ہو۔ مثلاً ایک وقت میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جب جماعت کے خلاف بہت فتنہ و فساد تھا فرمایا تھا کہ جن باتوں کا مجھے علم ہے اگر میں تمھیں بتا دوں تو تمھارا زندہ رہنا ہی مشکل ہو جائے گا (الفاظ مجھے یاد نہیں، مفہوم اسی قسم کا تھا)

میں بتا یہ رہا ہوں کہ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ کا جو وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے کیا گیا تھا، محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس وعدے کو پُورا کرنے والے ہیں اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں دنیا نے اللہ تعالیٰ کے لاکھوں نشانات کا مشاہدہ کیا ہے اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے ذریعہ سے بھی۔ اور دُوسرے جو بزرگ جماعتِ احمدیہ میں پائے جاتے ہیں اُن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نشان ظاہر کرتا رہتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت کے طفیل آپ کے ماننے والوں پر یہ حقیقت بھی وضاحت کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ اس قسم کی باتیں عام طور پر

ظاہر نہیں کرنی چاہئیں، کیونکہ ان کے نتیجہ میں انانیت پیدا ہوتی ہے اور بعض دفعہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو انسان مول لینے والا نہ ہو جائے۔

تو قرآنِ کریم سے نیز جو نمونہ اولیاءِ اُمّت کا تاریخ میں محفوظ ہے اور جو سلوک نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عشّاق اور اپنی رضا کی راہوں میں فدا ہونے والوں سے اللہ تعالیٰ کرتا رہا ہے اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمام اقوام میں اور ہر زمانہ میں آیات بیّنات موجود ہیں اور ان کا تعلّق صرف مسلمانوں سے ہے۔ دوسرے مذاہب نہ ایسا دعویٰ کر سکتے ہیں اور نہ اسے ثابت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

پانچویں غرض تعمیرِ کعبہ سے یہ بتائی گئی تھی : مَقَامُ اِبْرَاھِیْمَ - اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اس ابراہیمی مقام کے ذریعہ سے عشّاقِ الٰہی کی ایک ایسی جماعت پیدا کی جاتی رہے گی جو تمام دنیوی علائق سے مُنہ موڑ کر خدا کی رضا پر اپنی تمام خواہشات کو قربان کر کے مقامِ فنا کو حاصل کرنے والی ہوگی۔ سو چا جائے تو آیات بیّنات کے نتیجہ میں ہی مقام ابراہیم کا حصول ممکن ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ "آیات بیّنات" اور "مقام ابراہیم" کا آپس میں بڑا گہرا تعلّق ہے۔ تو چونکہ اُمّتِ محمدیہ میں آیات بیّنات کا ایک سمندر ہمیشہ موجزن رہتا ہے اس لیے اُمّتِ محمدیہ میں ممکن ہو گیا ہزاروں لاکھوں ایسے بزرگوں کا پایا جانا کہ جو مقامِ ابراہیم کو حاصل کرنے والے ہوں۔ دراصل مقامِ ابراہیم مقامِ محمدیّت کا ظلّ ہے۔ عین اس مقام تک پہنچ جانا جو محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مقام ہے یہ تو ممکن نہیں، لیکن اس کے بعد جو دوسرا مقام ہے وہ مقام ابراہیم ہے۔ ایک ظلّ کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ان آیات بیّنات سے حصّہ لیا ہے۔ قرآنِ کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میرے ماننے والوں میں ایسے لوگ کثرت سے پیدا ہوں گے جو فنا کے اس مقام کو حاصل کرنے والے ہوں گے۔ یہ مقامِ فنا کیا چیز ہے ؟ اس کے متعلّق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:

"ایک مقام محبّتِ ذاتی کا ہے جس پر قرآنِ شریف کے کامل متبعین کو قائم کیا جاتا ہے
اور اُن کے رگ و ریشہ میں اس قدر محبّتِ الٰہیہ تاثیر کر جاتی ہے کہ ان کے وجود کی
حقیقت بلکہ ان کی جان کی جان ہو جاتی ہے اور محبوب حقیقی سے ایک عجیب طرح کا
پیار ان کے دلوں میں جوش مارتا ہے اور ایک خارق عادت اُنس اور شوق اُن

کے قلوبِ صافیہ پرستولی ہو جاتا ہے، جو غیر سے بکلّی منقطع اور گسستہ کر دیتا ہے اور آتش عشقِ الٰہی ایسی افروختہ ہوتی ہے کہ جو ہم صحبت لوگوں کو اوقات خاصّہ میں بدیہی طور پر مشہود اور محسوس ہوتی ہے .. . اور سب سے بزرگ تر اُن کے صدق قدم کا نشان یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب حقیقی کو ہر یک چیز پر اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اگر آلام اس کی طرف سے پہنچیں تو محبّت ذاتی کے غلبہ سے برنگ انعام ان کو مشاہدہ کرتے ہیں اور عذاب کو شربت عذب کی طرح سمجھتے ہیں۔ کسی تلوار کی تیز دھار اُن میں اوران کے محبوب میں جدائی نہیں ڈال سکتی اور کوئی بلیۂ عظمیٰ اُن کو اپنے اُس پیارے کی یاد داشت سے روک نہیں سکتی اسی کو اپنی جان سمجھتے ہیں اور اسی کی محبّت میں لذّات پاتے اور اسی کی ہستی کو ہستی خیال کرتے ہیں اور اسی کے ذِکر کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیتے ہیں۔ اگر چاہتے ہیں تو اسی کو، اگر آرام پاتے ہیں تو اسی سے۔ تمام عالم میں اُسی کو رکھتے ہیں اور اسی کے ہو رہتے ہیں۔ اُسی کے لیے جیتے ہیں اور اسی کے لیے مرتے ہیں۔ عالم میں رہ کر پھر بے عالم ہیں اور باخود ہو کر پھر بے خود ہیں۔ نہ عزّت سے کام رکھتے ہیں، نہ نام سے، نہ اپنی جان سے، نہ اپنے آرام سے بلکہ سب کچھ ایک کے لیے کھو بیٹھتے ہیں۔ اور ایک کے پانے کے لیے سب کچھ دے ڈالتے ہیں لایُدرک آتش سے جلتے جاتے ہیں اور کچھ بیان نہیں کر سکتے کہ کیوں جلتے ہیں اور تفہیم اور تفہّم سے صُمٌّ وَبُکمٌ ہوتے ہیں اور ہر یک مصیبت اور ہر یک رُسوائی کے سہنے کو تیار رہتے ہیں اور اس سے لذّت پاتے ہیں۔"

{ براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۰۴ تا ۵۱۴
حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳ }

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس مقدّس جماعت کا نقشہ یُوں کھینچا اور بیان فرمایا ہے کہ ابراہیمی وعدہ کے مطابق اوران بشارتوں کے مطابق جو محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ نے دی تھیں:۔

"لاکھوں مقدّسوں کا یہ تجربہ ہے کہ قرآن شریف کی اتّباع سے برکات الٰہی دل پر نازل ہوتی ہیں اور ایک عجیب پیوند مولا کریم سے ہوجاتا ہے ..... اور ایک لذیذ محبّت الٰہی جو لذّتِ وصال سے پرورش یاب ہے ان کے دلوں میں رکھی جاتی ہے اگر اُن کے وجُودوں کو ہاونِ مصائب میں پیسا جائے اور سخت شکنجوں میں دے کر نچوڑا جائے تو اُن کا عرق بجز حُبّ الٰہی کے اور کچھ نہیں۔ دنیا ان سے ناواقف اور وہ دنیا سے دُور تر اور بلند تر ہیں" (سُرمہ چشم آریہ حاشیہ صا۳)

یہ وہ مقامِ ابراہیم ہے جس کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو دیا گیا۔ اس کی بشارت اپنے ربّ کی طرف سے محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پائی۔ اور خدا تعالیٰ جو سچّے وعدوں والا ہے، اُس نے اپنے اس وعدے کو سچّا ثابت کر دکھایا اور اُمّتِ مُسلمہ میں لاکھوں وجود ایسے پیدا کیے جو مقامِ ابراہیم تک پہنچنے والے تھے۔

چھٹا وعدہ جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے کیا گیا تھا وہ ان آیات کے اِس ٹکڑے میں بیان ہُوا ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا میں نے بتایا تھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو بیت اللہ میں داخل ہوگا یعنے اُن عبادات کو بجا لائے گا جن کا تعلّق خدا تعالیٰ کے اس گھر سے ہے، دنیا اور آخرت کے جہنّم سے خدا کی پناہ میں آجائے گا اور اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دئے جائیں گے اور نارِ جہنّم سے وہ محفوظ ہو جائے گا۔ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ جو اس گھر میں داخل ہوگا، اس آگ سے محفوظ ہو جائے گا (جو خدا تعالیٰ نے منکروں کے لیے بھڑکائی ہے) چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ نمل میں فرماتا ہے وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ٥ (آیت ۹۰) یعنے اسلامی ہدایت کے مطابق اعمالِ صالحہ بجا لانے والوں کو اللہ تعالیٰ بہتر اور احسن بدلہ دے گا اور نفخ صور کی گھڑی میں ایسے لوگ خوفِ جہنّم سے محفوظ رہیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو یہ بشارت دے گا کہ تمہیں نارِ جہنم کی طرف نہیں لے جایا جائے گا بلکہ جنّت کی طرف لے جایا جائے گا۔ اس واسطے کسی قسم

کا خوف نہ کرو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ۝ (سورۃ الحجر: ۴۶-۴۷) متقی لوگ یقیناً باغوں اور چشموں والے مقام میں داخل ہوں گے اُنھیں کہا جائے گا کہ تم سلامتی کے ساتھ بے خوف خطر ان میں داخل ہو جاؤ۔ تو یہ امن ہے جو قرآن کریم کے ذریعہ سے اُس کے کامل متبعین کو ملتا ہے۔

فرمایا تھا مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا عین یہی الفاظ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائے اور فرمایا کہ ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ (سورۃ الفتح: آیت ۲۸) کہ تم مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے اور وہ وعدہ پورا ہُوا۔

ایک تو اس کی ظاہری تفسیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مکّہ کے سامان پیدا کیے اور بغیر جنگ کے کفّار مکّہ نے جنھوں نے اپنی ساری عُمریں اسلام کو مٹانے کے لیے صرف کر دی تھیں ہتھیار ڈال دیئے اور فرشتوں نے جن کا آسمان سے نزول ہُوا اُن کے دلوں میں اس قدر خوف پیدا کر دیا کہ لڑائی کی ان کو ہمّت ہی نہ پڑی۔

لیکن اس کے دوسرے معنے یہ بھی ہیں کہ تم ہی وہ اُمت ہو جو اس وعدہ کو پُورا کرنے والی ہو جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اِن الفاظ میں کیا گیا تھا کہ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ جو اس میں داخل ہو گا وہ امن میں آجائے گا۔ تمھارے ذریعہ سے وہ وعدہ پُورا ہُوا۔ میں اس کی وضاحت کر چکا ہوں کہ یہ تمام وعدے وہ ہیں جن کا تعلق تمام بنی نوع انسان سے ہے ہر قوم اور ہر زمانہ کے ساتھ کسی خاص قوم یا کسی خاص زمانہ کے ساتھ یہ مخصوص نہیں ہیں۔

تو مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا کے معنی یہ ہوئے کہ خواہ دنیا کی کسی قوم سے ہی تعلّق کیوں نہ رکھتا ہو یا کسی زمانہ میں ہی رہنے والا کیوں نہ ہو جو شخص بھی مناسکِ حج خلوص نیّت سے ادا کرے گا وہ نارِ جہنّم سے محفوظ ہو جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مَنْ حَجَّ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (یاد رکھیں کہ یَرْفُثُ اور یَرْفِثُ اور یَفْسُقُ اور یَفْسِقُ دونوں طرح عربی زبان میں یہ الفاظ بولے جاتے ہیں) کہ جو شخص گندی اور فحش باتوں سے پرہیز کرے یعنے جو شخص حجّ کرے اور مناسکِ حجّ ادا کرتے ہوئے فحش کلامی سے بچتا ہے

جس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا اندرُونہ اس قدر پاکیزہ ہو کہ فحش بات اُس کی زبان پر آہی نہ سکتی ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ باقی گیارہ ماہ کچھ دن تو ہر قسم کی فحش کلامی کرتا رہے صرف ان دنوں رفث سے بچے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کا اندرُونہ اتنا پاک ہو چکا ہو اور گندگی اُس کے سینہ سے اتنی دُور ہو چکی ہو کہ فحش بات، گندی بات اس کے منہ پر آہی نہ سکے۔ اور جو حق اور صلاح کے طریق سے خروج نہ کرے یعنی شرعی حدود سے باہر نہ ہو اُن کی پابندی کرنے والا ہو اور اطاعت کا حق ادا کرنے والا ہو، تو جو شخص اس خالص نیّت کے ساتھ اور ان خالص اعمال کے ساتھ اور ان پاکیزہ آداب کے ساتھ حج بیت اللہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا اس سے وعدہ ہے کہ اُس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور جس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے وہ یقیناً نارِ جہنم سے بچا لیا گیا۔

ایک اور طرح بھی انسان اِس دنیا میں بھی اور اُس دنیا میں بھی نارِ جہنم سے بچ جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ مَنْ دَخَلَهٗ جو مقامِ ابراہیم میں داخل ہُوا کَانَ اٰمِنًا اللہ تعالیٰ کی امان میں اور امن میں آ جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"خدا میں بے انتہا عجیب قدرتیں ہیں...... مگر اس کی یہ عجیب قدرتیں اُن ہی پر کھلتی ہیں جو اُس کے ہی ہو جاتے ہیں۔ اور وہی یہ خوارق دیکھتے ہیں جو اُس کے لیے اپنے اندر ایک پاک تبدیلی کرتے ہیں اور اُس کے آستانے پر گرتے ہیں اور اس قطرے کی طرح جس سے موتی بنتا ہے صاف ہو جاتے ہیں اور محبّت اور صدق اور صفا کی سوزش سے پگھل کر اس کی طرف بہنے لگتے ہیں تب وہ مصیبتوں میں ان کی خبر لیتا ہے اور عجیب طور پر دشمنوں کی سازشوں اور منصوبوں سے انھیں بچا لیتا ہے اور ذلّت کے مقاموں سے اُنھیں محفوظ رکھتا ہے۔ وہ ان کا متولّی اور متعہّد ہو جاتا ہے۔ وہ اُن مشکلات میں جبکہ کوئی انسان کام نہیں آ سکتا ان کی مدد کرتا ہے اور اس کی فوجیں اس کی حمایت کے لیے آتی ہیں۔ کس قدر شکر کا مقام

ہے کہ ہمارا خدا، کریم اور قادر خدا ہے۔ پس کیا تم ایسے عزیز کو چھوڑ دو گے؟ کیا اپنے نفس ناپاک کے لیے اس کی حدود کو توڑ دو گے؟ ہمارے لیے اُس کی رضامندی میں مرنا ناپاک زندگی سے بہتر ہے"۔ (ایام الصلح صفحہ ۱۰۴)

یہ وہ امن ہے جو اُس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے پر ایک موت وارد کر کے نیستی کا لبادہ اوڑھتا اور مقام ابراہیم میں داخل ہوتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ کی فوجیں آسمان سے نزول کرتی ہیں اور اس کو ہر قسم کے عذابوں سے محفوظ کر لیتی ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر دو آگوں کو مسلّط نہیں کرتا۔ ایک تو اس کے وہ بندے ہیں جو محبّت کی آگ میں جل کر فنا کا مقام حاصل کرتے ہیں، تب دوسری آگ کے دروازے اُن پر بند کر دئے جاتے ہیں۔ ایک وہ اس کے بندے ہیں جو اس کی محبّت کا خیال نہیں رکھتے جو اُس کے پیار پر شکر کرنے والے نہیں، جو اس کی رحمتوں پر کفر کرنے والے ہیں، جو اس سے منہ موڑ کر دنیا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے پیار کرنے کی بجائے دنیا سے پیار کرتے ہیں وہ اسے محبوب بنانے کی بجائے دنیا کے علائق کو اور دنیا کے رشتوں کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خدا کی حفاظت نازل نہیں ہوتی اور نہ اس کی فوجیں نازل ہو کر اُن کو امن دیتی ہیں۔ بلکہ دوزخ کے دروازے ان لوگوں پر کھولے جاتے ہیں اور نارِ جہنّم اُن کا ٹھکانا ہوتا ہے۔

پس خدا کے بندوں پر دو آگیں وارد نہیں ہوتیں۔ اب یہ اُن کی مرضی ہے کہ محبّت کی آگ کو پسند کریں اور گندگی کو جلا کر خاک کر دیں اپنے نفس کو بھی اور اپنی خواہشات کو بھی اپنے وجود کو بھی اپنی ساری محبّتوں کو بھی، اپنے سارے رشتوں کو بھی اپنے تعلّقوں کو بھی۔ اور یا وہ خدا کی محبّت پر دنیا کی محبّت کو ترجیح دیں اور اپنے لیے خود اپنے ہاتھ سے جہنّم کے دروازے کھولیں۔

ساتواں وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ کیا گیا تھا کہ صرف تیری نسل پر ہی یہ حجّ فرض نہ رہے گا بلکہ ایک ایسا نبی یہاں مبعوث کیا جائے گا جس کی شریعت عالمگیر ہوگی اور اس شریعت کے نزول کے بعد اقوامِ عالم پر حجّ کو فرض کر دیا جائے گا اور اس طرح اس خانہ خدا کو مرجعِ خلائق اور مرجعِ عالم بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت نبی اکرمؐ کی بعثت سے پہلے یہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہوئے اور قرآنی شریعت آپ پر نازل ہوئی تب اس شریعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوعِ انسان پر حج کو فرض کر دیا۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلْحَجُّ

اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ (آیت : ۱۹۸) کہ اے بنی نوع انسان تم یاد رکھو کہ حج کے مہینے سب کے جانے پہچانے ہیں۔ پس جو شخص حج کو اپنے پر فرض سمجھتے ہوئے حج کرنے کا پختہ ارادہ کرے وہ حج کے ایام میں (جیسا کہ دوسرے دنوں میں) کوئی شہوت کی بات یا کوئی نافرمانی کی بات یا کسی قسم کے جھگڑے کی بات نہ کرے۔ یہ اُس کے لیے جائز نہ ہوگا اور پھر فرمایا کہ جو نیک کام بھی تم کرو گے اللہ ضرور اس کی قدر کو پہچان لے گا۔ وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ تمہارا تعلق سفید نسل سے ہے یا تمہارا تعلق سیاہ نسل سے ہے، بلکہ خواہ تم کسی بھی قوم کے فرد کیوں نہ ہو، کسی بھی خطّۂ زمین کے رہنے والے کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی آواز پر لبّیک کہتے ہوئے حج کو خدا کے کہنے کے مطابق اپنے لیے ضروری عبادت سمجھو گے اور جب وہ شرائط تمہارے حق میں پوری ہو جائیں گی جن کا تعلق حج کرنے کے ساتھ ہے اور اس فریضہ کو فریضہ جانتے ہوئے تم حج کرو گے اور حج کے دَوران بھی اُن تمام ہدایتوں کا پاس کرو گے جو ہدایتیں اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں تمہیں دی ہیں تو پھر اے تمام بنی نوعِ انسان! یہ سُن لو کہ نیکی کا جو کام بھی تم کرو گے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تمہاری قدر قائم ہو جائے گی۔ وہ تمہاری نیکی کو پہچانے گا۔ کوئی چیز اس کی نظر سے غائب نہیں ہے اور اس قدر کے نتیجہ میں اس کی بے شمار نعمتوں کے تم وارث ہو گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حجّ بیت اللہ صرف ظاہری مناسکِ حج کا ہی نام نہیں، بلکہ ہر عبادت اسلامی کے پیچھے اس کی ایک رُوح ہے ظاہری عبادت جسم کا رنگ رکھتی ہے۔ اُس کے پیچھے ایک رُوح ہے۔ جو شخص رُوح کا خیال نہ رکھے اور صرف جسم پر فریفتہ ہو وہ ایک مُردہ کی پرستش کرنے والا ہے۔ اس کو ان عبادات کا جن کی رُوح کا خیال نہیں رکھا گیا کوئی ثواب نہیں ملیگا۔ بلکہ اس کے ساتھ اس کے ربّ کا وہی سلوک ہوگا جو ایک مُردہ پرست کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حج کے متعلق فرمایا ہے :-

> "اصل بات یہ ہے کہ سالک کا آخری مرحلہ یہ ہے کہ وہ اِنقطاعِ نفس کر کے تعشّق باللہ اور محبّتِ الٰہی میں غرق ہو جاوے۔ عاشق اور مُحِبّ جو سچّا ہوتا ہے وہ اپنی جان اور اپنا دل قربان کر دیتا ہے اور بیت اللہ کا طواف

اس قربانی کے واسطے ایک ظاہری نشان ہے۔ جیسا کہ ایک بیت اللہ نیچے زمین پر ہے ایسا ہی ایک آسمان پر بھی ہے جب تک آدمی اُس کا طواف نہ کرے اِس کا طواف بھی نہیں ہوتا، اس کا طواف کرنے والا تو تمام کپڑے اتار کر ایک کپڑا بدن پر رکھ لیتا ہے، لیکن اُس کا طواف کرنے والا بالکل نزع ثیاب کر کے خدا کے واسطے ننگا ہو جاتا ہے۔ طواف عشاقِ الٰہی کی ایک نشانی ہے عاشق اس کے گرد گھومتے ہیں۔ گویا اُن کی اپنی مرضی باقی نہیں رہی۔ وہ اس کے گرداگرد قربان ہو رہے ہیں۔"

[رموزاتُ الحقائق جلد سوم (مجموعہ فتاوی احمدیہ) مرتبہ محمد فضل صاحب چنگوی صفحہ ۲۶]

تو یہ آسمانی حج ہے۔ جب تک کوئی شخص اُس بیت اللہ کا حج نہیں کرتا، زمین کا حج بھی قبولیت حاصل نہیں کرتا۔ تو حج کرنے والوں، حج کی نیّت رکھنے والوں کو یہ نکتہ بھولنا نہیں چاہیئے۔ ظاہری عبادتیں جو ہیں وہ ہم نے کر لیں اور جو باطنی عبادت ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا حکم صادر ہوتا ہے اس کے متعلق ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ قبول ہوئی یا نہیں ہوئی۔ تو اس ظاہری عبادت کے بعد کسی قسم کا فخر اور عُجب اور خودی اور انانیت کیوں پیدا ہو۔ اس سے تو اور بھی دُوری اپنے ربّ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ شکر کا مقام ہو اور حمد کے گیت گائے جائیں۔ یہ تو ٹھیک ہے لیکن وہ بھی اُس طرح جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ جس وقت خدا کا ایک پیارا بندہ اپنے ربّ کی عبادت میں مصروف ہوتا ہے اور عاجزی اور انکسار اور گریہ وزاری کے ساتھ سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اگر اس وقت کوئی دُوسرا شخص اسے دیکھ لے تو اپنے دل میں اسے اتنی ہی شرمندگی محسوس ہوتی ہے جس طرح اس شخص کو شرمندگی محسوس ہوتی ہے جو دنیا کے تعلقات میں محو ہو اور کوئی شخص آگے اس کو دیکھے۔

پس یہ پیار کی باتیں ظاہر کرنے والی نہیں ہوتیں۔ محبّت کی یہ باتیں تو بندے اور ربّ کے درمیان ایک راز ہوتا ہے اس لیے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں۔ دنیا ان سے واقف نہیں کیونکہ وہ دنیا سے دُور ہیں اور دنیا سے بلند ہیں

لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دنیا کے قریب آنا چاہتا ہے اور رفعتوں اور بلندیوں کو چھوڑ کر خُلود الی الارض کرتا ہے تاکہ اسے دنیا میں شناخت کیا جائے اور اس کی تعریف کی جائے، تو دنیا کے تو وہ قریب آ گیا، مگر خدا تعالیٰ سے وہ دور ہو گیا اور بلندیوں اور روحانی رفعتوں سے وہ ہاتھ دھو بیٹھا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک شخص کو ہم میں سے اس سے محفوظ رکھے اور جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے وعدے دیئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے لیے بشارتیں دیں ان بشارتوں کے موافق لاکھوں مقدس جو پیدا ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں اور آئندہ ہوں گے ان مقدسوں کے گروہ میں ہمیں شامل کرے اور شامل رکھے۔ ہم دنیا کی تعریف نہیں چاہتے لیکن خدا ایسے سامان پیدا کر دے کہ وہ ہمارے دل کی کسی نیکی کی خواہ وہ رائی کے دانہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو شناخت کرنے لگے اور اس رائی کے دانہ کے برابر نیکی کا بدلہ پیار و محبت سے دے اور ہم سے راضی ہو جائے۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔

(منقول از روزنامہ الفضل ربوہ۔ مورخہ ۱۲ رمئی ۱۹۶۷ء)

اقوام عالم کو ایک مرکزِ توحید پر

جمع کر کے

بین الاقوامی وحدت

قائم کرنے کا

وعدۂ الٰہی

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۱۹ مئی ۱۹۶۷ء

بمقام مسجد مبارک ربوہ

"جس طرح ابتدا میں خانہ کعبہ انسانیت کا مرکز تھا، آخری اور اکمل دور میں بھی
خدا کا یہ گھر وحدت انسانی کا مرکز بننا مقصود تھا اور انبیاء کے سردار
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے بیت اللہ کو منتخب کیا گیا،
تا وحدت انسانی کا نبی اور وحدت انسانی کا قبلہ دونوں ایک جگہ جمع
ہو جائیں۔"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے آیہ وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَیۡتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰھٖمَ مُصَلًّی ؕ (سورۃ البقرۃ : ۱۲۶) تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا :-

ان تئیس۲۳ مقاصد میں سے، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ان آیات میں کیا ہے جن کا ایک ٹکڑا اس وقت بھی میں نے تلاوت کیا ہے، سات کے متعلق مَیں اس سے قبل اپنے خطبات میں بیان کر چکا ہوں اور بتا چکا ہوں کہ وہ مقاصد نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے کس طرح حاصل ہوئے۔

آٹھواں مقصد جس کا ذکر یہاں ہے مَثَابَۃً کے لفظ میں بیان ہُوا ہے مَیں نے بتایا تھا کہ خانۂ کعبہ کی تعمیرِ نو کی یہ آٹھویں غرض ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں ایک ایسا رسول مبعوث ہوگا جو تمام اقوام عالم کو اُمَّۃً وَّاحِدَۃً بنا دے گا اور ایک ایسی شریعت نازل ہو گی جس کے ذریعہ سے تمام منتشر اور پراگندہ اقوام کو ایک مرکزِ توحید اور مرکزِ پاکیزگی پر لا جمع کیا جائے گا۔ یہ مقصد بھی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے ہی حاصل ہُوا۔

مَثَابَۃً کے لغوی معنی ایک تو یہ ہیں : مُجۡتَمَعُ النَّاسِ بَعۡدَ تَفَرُّقِھِمۡ (القاموس المحیط) انتشار اور تفرقہ کے پیدا ہو جانے کے بعد پھر دوبارہ جس جگہ لوگ اکٹھے ہوں اُسے مَثَابَۃٌ کہتے ہیں۔

اور ایک دوسرے معنی اس کے یہ ہیں مَکَانًا یُکۡتَبُ فِیۡہِ الثَّوَابُ وہ جگہ جہاں لوگوں کے لیے ثواب اور بدلہ اور جزا کے احکام جاری ہوتے اور لکھے جاتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم اس بیت اللہ کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایک ایسا مرکزی نقطہ

بنائے والے ہیں کہ جہاں دنیا کی تمام منتشر اور پراگندہ اقوام پھر سے جمع ہونگی اور ان کے لیے کوئی اور جگہ باقی نہ رہے گی جہاں سے انھیں اپنے ربّ کے ثواب کے حصول کی اُمید اور توقع ہو۔

جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اس غرض کو پُورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمایا اور اسلامی شریعت کو نازل کیا اور جس طرح ابتدا میں خانہ کعبہ انسانیت کا مرکز تھا کیونکہ حضرت آدم علیہ السّلام کے وقت ایک ہی نبی تھا اور ایک ہی قوم تھی اور ایک ہی شریعت تھی، ابھی انسان دنیا میں نہیں پھیلا تھا اور قوم قوم میں تقسیم نہیں ہُوا تھا، تو ابتدا میں خانہ کعبہ ہی انسانیت کا مرکز تھا روحانی طور پر۔ اس کے بعد آدم علیہ السّلام کی نسل دنیا میں پھیلنی شروع ہُوئی اور دُور دراز کے علاقوں میں آباد ہو گئی۔ آپس کے تعلقات قائم نہ رہے۔ ان کی روحانی ترقی اور نشو و نما کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں علیحدہ علیحدہ نبی اور رسول بھیجنے شروع کیے اور اس طرح روحانی طور پر وہ ایک قوم نہ رہے بلکہ منتشر ہو گئے اور تفرقہ پڑ گیا اور نسلِ آدم قوم قوم میں بٹ گئی۔

تو جس طرح ابتدا میں خانہ کعبہ انسانیت کا مرکز تھا، آخری اور اکمل دَور میں بھی خدا کا یہ گھر وحدت انسانی کا مرکز بننا منفصود تھا اور انبیاء کے سردار محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے بیت اللہ کو منتخب کیا گیا تا وحدت انسانی کا نبی اور وحدت انسانی کا قبلہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے مَیں اس وقت حضور کے دو اقتباسات جو اس مضمون سے تعلق رکھتے ہیں اپنے دوستوں کو سُناتا ہوں۔ حضورؑ فرماتے ہیں:-

> ابتدائے زمانہ میں انسان تھوڑے تھے اور اُس تعداد سے بھی کم تر تھے جو اُن کو ایک قوم کہا جائے، اس لیے ان کے لیے صرف ایک کتاب کافی تھی۔ پھر بعد اس کے جب دنیا میں انسان پھیل گئے اور ہر ایک حصّہ زمین کے باشندوں کا ایک قوم بن گئی اور بباعث دُور دراز مسافتوں کے ایک قوم دوسری قوم کے حالات سے بالکل بے خبر ہو گئی ایسے زمانوں میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نے تقاضا فرمایا کہ ایک

قوم کے لیے جدا جدا رسول اور الہامی کتابیں دی جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور پھر جب نوعِ انسان نے دنیا کی آبادی میں ترقی کی اور ملاقات کے لیے راہ کھل گئی اور ایک ملک کے لوگوں کو دُوسرے ملک کے لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے سامان مُیسّر آگئے اور اس بات کا علم ہوگیا کہ فُلاں فُلاں حِصّۂ زمین پر نوعِ انسان رہتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کا ارادہ ہُوا کہ ان سب کو پھر دوبارہ ایک قوم کی طرح بنا دیا جائے اور بعد تفرقہ کے پھر ان کو جمع کیا جاوے۔ تب خدا نے تمام ملکوں کے لیے ایک کتاب بھیجی اور اس کتاب میں حکم فرمایا کہ جس جس زمانہ میں یہ کتاب مختلف ممالک میں پہونچے ان کا فرض ہوگا کہ اس کو قبول کریں اور اُس پر ایمان لاویں اور وہ کتاب قرآن شریف ہے جو تمام ملکوں کا باہمی رشتہ قائم کرنے کے لیے آئی ہے۔ قرآن سے پہلے سب کتابیں مختصّ القوم کہلاتی تھیں یعنی صرف ایک قوم کے لیے ہی آتی تھیں..... مگر سب کے بعد قرآن شریف آیا جو ایک **عالمگیر کتاب** ہے اور کسی خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ تمام قوموں کے لیے ہے۔ ایسا ہی قرآن شریف ایک ایسی **اُمّت** کے لیے آیا جو آہستہ آہستہ ایک ہی قوم بننا چاہتی تھی۔ سو اب زمانہ کے لیے ایسے سامان مُیسّر آگئے ہیں جو مختلف قوموں کو **وحدت** کا رنگ بخشتے جاتے ہیں۔ باہمی ملاقات جو اصل جڑ ایک قوم بننے کی ہے ایسی سہل ہوگئی ہے کہ برسوں کی راہ چند دنوں میں طے ہو سکتی ہے اور پیغام رسانی کے لیے وہ سبیلیں پیدا ہوگئی ہیں کہ جو ایک برس میں بھی کسی دُور دراز ملک کی خبر نہیں آسکتی تھی۔ وہ اب ایک ساعت میں آسکتی ہے۔ زمانہ میں ایک ایسا انقلابِ عظیم پیدا ہو رہا ہے اور تمدّنی دریا کی دھار نے ایک ایسی طرف رُخ کر لیا ہے جس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ اب خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ ہے کہ

تمام قوموں کو جو دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں ایک قوم بنا دے اور ہزار ہا برسوں کے بچھڑے ہوؤں کو پھر باہم ملا دے۔"
(چشمۂ معرفت ۔ صفحہ ۶۶-۶۹)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السّلام ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

"چونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت کا زمانہ قیامت تک ممتدّ ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اِس لیے خدا نے یہ نہ چاہا کہ وحدت اقوامی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی، یعنی شبہ گزرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اُسی زمانہ میں انجام تک پہنچ گیا۔ اس لیے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں زمانہ محمدی کے آخری حصّہ میں ڈال دی جو قربِ قیامت کا زمانہ ہے اور اس کی تکمیل کے لیے اسی اُمّت میں سے ایک نائب مقرر کیا، جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے۔ پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو، جب تک کہ وہ پیدا نہ ہو لے کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت اُسی نائب النبوّت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (سورۃ الصفّ ۔ آیت ۱۰) یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا اس کو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کر دے۔ یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ وہ عالمگیر غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ

میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیشگوئی میں کچھ تخلّف ہو۔ اس لیے اس آیت کی نسبت ان سب متقدّمین کا اتّفاق ہے جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا کیونکہ اس عالمگیر غلبہ کے لیے تین امر کا پایا جانا ضروری ہے جو کسی پہلے زمانہ میں وہ پائے نہیں گئے۔

(۱) اوّل یہ کہ پُورے اور کامل طور پر مختلف قوموں کے میل ملاقات کے لیے آسانی اور سہولت کی راہیں کھل جائیں اور سفر کی ناقابلِ برداشت مشقتیں دور ہو جائیں ....

(۲) دُوسرا امر جو اس بات کے سمجھنے کے لیے شرط ہے کہ ایک دین دوسرے تمام دینوں پر اپنی خوبیوں کے رو سے غالب ہے یہ ہے جو دنیا کی تمام قومیں آزادی سے باہم مباحثات کر سکیں اور ہر ایک قوم اپنے مذہب کی خوبیاں دوسری قوم کے سامنے پیش کر سکے اور نیز تالیفات کے ذریعہ سے اپنے مذہب کی خوبی اور دوسرے مذاہب کا نقص بیان کر سکیں اور مذہبی کُشتی کے لیے دنیا کی تمام قوموں کو یہ موقعہ مل سکے کہ وہ ایک ہی میدان میں اکٹھے ہو کر ایک دوسرے پر مذہبی بحث کے حملے کریں ..... اور یہ مذہبی کشتی نہ ایک دو قوم میں بلکہ عالمگیر کشتی ہو ......

(۳) تیسرا امر جو اس بات کو تمام دنیا پر واضح کرنے کے لیے شرط ہے کہ فلاں دین بمقابل دنیا کے تمام دینوں کے خاص طور پر خدا سے تائید یافتہ ہے .... وہ یہ ہے کہ بمقابل دنیا کی تمام قوموں کے ایسے طور سے تائیدِ الٰہی کے آسمانی نشان اس کے شامل ہوں کہ دوسرے کسی دین کے شامل حال نہ ہوں ..... اور دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک کوئی مذہب نشانِ آسمانی میں اس کا مقابلہ نہ کر سکے باوجود اس بات کے کہ کوئی حصّہ آبادی دنیا کا اس دعوتِ مقابلہ سے بے خبر نہ ہو۔"

(چشمۂ معرفت صفحہ ۸۲ تا ۸۶)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اب دنیا میں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ تمام دنیا کے مذاہب کی دین اور روحانیت کے میدان میں کشتی ممکن ہو گئی ہے۔ تمام اقوام اپنے نمایندوں کو ایک جگہ جمع کر کے دوسرے مذاہب سے مقابلہ کر سکتے ہیں اور چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے دین کے میدان میں سب دنیا کے مذاہب کو پکارا، یہ مقابلہ آپ کے زمانہ میں شروع ہو گیا۔ گذشتہ جلسہ سالانہ کے موقع پر مختلف دعوت ہائے فیصلہ میں نے بھی دنیا کے سامنے رکھی تھیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی سفر یورپ کی، تو میں ارادہ رکھتا ہوں کہ وہاں کے ملکوں میں جو عیسائی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ان دعوت ہائے فیصلہ کو دہراؤں اور امن اور صلح کی فضا میں اسلام کے مقابلہ میں انھیں دعوت دوں کہ اپنی حقانیت کو اگر وہ اپنے مذاہب کو حق سمجھتے ہیں ثابت کریں اور میں اپنے ربّ سے اُمّید رکھتا ہوں کہ اگر وہ میدانِ فیصلہ میں آئے تو اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ دنیا کے سامنے انہیں اپنی شکست کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ۔

تو آٹھواں مقصد ساری دنیا کی اقوام کو وحدت کے سلسلہ میں منسلک کرنا ہے اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کام کے پُورا کرنے کا وعدہ دیا ہے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے بڑی وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ اس مقصد کے حصول کا تعلّق جماعت احمدیّہ سے ہے اور اس کے نتیجہ میں جماعتِ احمدیّہ پر بڑی ہی ذمّہ داریاں عاید ہوتی ہیں جن کی طرف مجھے اور آپ سب کو توجہ دینی چاہیئے۔

تو آٹھواں مقصد ہَنَّا بَنَّۃً میں بیان ہُوا ہے اور ظاہر ہے یہ مقصد سوائے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہُوا اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ کسی اور نبی کو ایسی شریعت نہیں دی گئی جو مختصّ القوم نہ ہو جس کا تعلّق صرف اس کی قوم اور اس کے زمانہ کے ساتھ نہ ہو۔ صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات ہے جن کو ایک ایسی شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی جو انسان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے اور جس کا تعلق دنیا کی ہر قوم اور قیامت تک کے ہر زمانہ کے ساتھ ہے اور وہ وعدے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے وہ اپنے وقت پر پُورے ہوتے رہے ہیں۔ یہ وعدہ جو ہے اس کے متعلّق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ اس کے پورا ہونے کا وقت مسیح موعود کا زمانہ ہے اور اس کے پُورا کرنے کی ذمہ داری جماعت احمدیہ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

نواں مقصد جس کا ان آیات میں ذکر ہے وہ اَمْناً کے لفظ میں بیان ہوا ہے۔ مَثَابَۃً میں بین الاقوامی تعلقات کے مضبوط بنیادوں پر مستحکم ہونے کا ذکر تھا اور بین الاقوامی رشتۂ اُخوّت کے استحکام کے لیے یہ ضروری ہے کہ بین الاقوامی امن کے قیام اور قوموں کے باہمی تعلّقات میں تسکینِ قلب کے سامان پیدا کیے جائیں اور ذرائع مہیّا کیے جائیں۔ وعدہ یہ دیا گیا تھا کہ مَثَابَۃً کا وعدہ بھی پورا ہوگا اور اس کے لیے جو ضروری چیز ہے کہ بین الاقوامی امن کا ماحول پیدا کیا جائے۔ وہ وعدہ بھی پورا ہوگا اور محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ دنیا کو جو شریعت دی جائے گی اس میں بین الاقوامی امن کے قیام کی تعلیم دی جائے گی اور وعدہ دیا گیا تھا کہ حقیقی امن دنیا کو صرف اس تعلیم پر عمل کرنے سے مل سکتا ہے، جو تعلیم کہ مکّہ سے مبعوث ہونے والا خاتم النّبیّین دنیا کے سامنے پیش کرے گا کیونکہ اس آخری شریعت میں تمام فطری قوتوں اور استعدادوں کی صحیح نشوونما کے سامان رکھے جائیں گے اور انسانی عقل اُن ہدایات سے تسلّی پائے گی اور اس انسان کا دل اطمینان حاصل کرے گا۔

امن عالم کے قیام کے متعلق جو تعلیم قرآن کریم میں پائی جاتی ہے وہ بڑی مفصّل ہے اور اس وقت میں اُس کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ اس کے متعلق حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب " احمدیت یعنی حقیقی اسلام" اور "نظام نو" میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ ان کتب میں حضرت مُصلح موعود رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا ہے کہ پانچ بنیادی باتیں امن عالم کے قیام کے لیے قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں، جب تک ان اصولوں پر دنیا عمل نہیں کرے گی دنیا کی کوئی بین الاقوامی تنظیم کامیاب نہیں ہوگی۔ پہلے لیگ آف نیشنز ناکام ہوئی۔ پھر اب جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں یو، این، او ناکامی کی طرف جا رہی ہے اور اس کی بڑی وجہ یا یوں کہنا چاہیئے کہ ایک ہی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے بین الاقوامی امن کے قیام کے لیے دنیا کو جو تعلیم دی تھی یہ لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور اس کو نہیں اپنایا۔ ان اصولوں کو ٹھکرانے کے نتیجہ میں وہ ناکامیوں کا منہ دیکھتے چلے جا رہے ہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا ہے کہ صرف قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصول پر ایک بین الاقوامی معاہدہ کی بجائے ایک ہی وقت میں دنیا دو قسم کے معاہدے کر لیتی ہے۔ ایک تو تعلّق رکھتے ہیں تمام اقوام کے ساتھ۔ اور ایک وہ معاہدے ہوتے ہیں جو بڑی بڑی قومیں آپس میں کر لیتی ہیں اور چونکہ دو کشتیوں میں اُن کا پاؤں ہوتا ہے اس لیے وہ ناکام ہو جاتے ہیں۔ خود یو، این، او میں جو معاہدہ ہوا اس کے اندر ہی ایک اور معاہدہ مدغم

کردیا گیا۔ بجائے اس کے کہ یہ خالص بین الاقوامی معاہدہ ہوتا اُنھوں نے اس کے اندر ویٹو کو اپنا لیا۔ یعنی بعض قوموں کو یو، این، او نے یہ فضیلت عطا کی ان کی رائے کے بغیر بعض معاملات طے نہیں ہوسکیں گے، حالانکہ جس طرح وہ قانون جو افراد پر لاگو ہوتا ہے اس میں امیر اور غریب، طاقتور اور کمزور میں فرق نہیں کیا جاسکتا نہ کیا جانا چاہیئے اگر قانونی حکومت کو ملک میں رائج کرنا ہو۔ اسی طرح یہ ضروری ہے کہ بین الاقوامی معاہدات میں کسی قوم کو کسی دوسری قوم پر ترجیح نہ دی جائے، اگر ترجیح دی جائے گی تو وہ بین الاقوامی قانون لازماً ناکام ہوجائے گا۔

قرآن کریم نے یہ تعلیم دی تھی کہ کسی قوم کو کسی قوم پر ترجیح نہ دینا۔ انھوں نے سمجھا کہ ہم بڑے طاقتور ہیں، اپنے زور سے جو چاہیں کرسکتے ہیں۔ ویٹو کے حقوق بعض قوموں کو دیدیئے یا بعض قوموں نے اپنے لیے یہ حقوق لے لیے۔ اور بڑی وجہ اس وقت یُو، این، او کی ناکامی کی یہی ہے کہ اُنھوں نے معاہدہ کرتے وقت صرف ایک قسم کا معاہدہ نہیں کیا جو صرف بین الاقوامی حیثیت کا ہوتا بلکہ اس کے اندر انفرادی معاہدے بھی شامل کردیئے گئے جو صرف بعض اقوام سے تعلّق رکھتے تھے۔ دنیا کی سب اقوام سے ان کو تعلق نہیں تھا۔

قرآن کریم نے دوسری ہدایت یہ دی تھی (بین الاقوامی امن کے قیام کے متعلق) کہ جس وقت جھگڑا ہو اسی وقت فیصلہ کرلے کی طرف توجہ دینی چاہیئے، لیکن آج دنیا کا دستور اپنے ذاتی مفاد کے پیشِ نظر یہ بن گیا ہے کہ وہ جھگڑے کو لمبا ہونے دیتے ہیں لمبا کرتے چلے جاتے ہیں تاکہ بعض ذاتی مفاد کو حاصل کرسکیں۔ اس طرح دنیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔ پھر تیسری ہدایت یہ تھی، کہ بین الاقوامی معاہدہ میں علاقائی تعصّب مُضر ہے، بلکہ مُہلک ہے، لیکن بین الاقوامی معاہدہ جو یُو، این، او کی شکل میں دنیا کے سامنے آیا اس کے باوجود اُن قوموں نے جو اس کی ممبر بنیں، بلکہ بازو بنیں علیحدہ علیحدہ معاہدے کرنے شروع کردیئے اور جن قوموں سے اُن کے ذاتی تعلّقات تھے اُن کے حق میں تعصّب اور جنبہ داری کے طریق کو اختیار کرنا شروع کردیا۔

پس قرآن کریم نے کہا ہے کہ بین الاقوامی امن صرف اس صورت میں قائم کیا جاسکتا ہے جب قوم قوم کے درمیان جنبہ داری کے سلوک کو اختیار نہ کیا جائے اور کوئی ایک قوم دوسری قوم کی ناجائز حمایت کرنے پر نہ تُلے۔

چوتھی چیز جس کے خلاف ہے قرآن، مگر جس کے حق میں ہوگئی ہے یہ ظالم دنیا۔ وہ یہ ہے کہ جب جھگڑا ہو جائے تو باہمی

صلح کروانے کی بجائے بعض قوموں کو تعصّب کی بناء پر سزا دینے کی تجویز کرتے ہیں اور جب اور جہاں بھی موقع ملتا ہے قوموں کے حصّے بخرے کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ جرمنی کے دو حصّے کر دیئے گئے۔ کوریا اور ویٹ نام کا بھی یہی حال ہے۔ یو، این، او کی موجودگی میں اور یُو، این، او کے تمام دعاوی کے ہوتے ہوئے کہ وہ امن عالم کو قائم کرنے والی تنظیم ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے میرے سایہ تلے چلو گے تو امن کو دنیا میں قائم کر سکو گے۔ میرے سایہ سے باہر نکلو گے تو شیطانی دھوئیں کی تمازت تمہیں تنگ کرے گی اور چین نہیں لینے دے گی۔

اور پانچویں تعلیم قرآن کریم نے یہ دی تھی کہ اگر بین الاقوامی امن کو قائم کرنا ہو تو پھر اس کے لیے ہر قوم کو قربانی دینی پڑے گی لیکن اب یہ حال ہے کہ بعض قومیں قربانی دیتی ہیں اور بعض انکار کر دیتی ہیں۔ تو صرف قرآن کریم کی ہی ایسی تعلیم ہے جس پر عمل کرکے دنیا میں بین الاقوامی امن قائم کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنی کتاب "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" میں نتیجہ اس ساری بحث کا یہ نکالتے ہیں کہ :۔

"ان پانچوں نقائص کو دُور کر دیا جائے تو قرآن کریم کی بتائی ہوئی لیگ آف نیشنز بنتی ہے اور اصل میں ایسی ہی لیگ کوئی فائدہ بھی دے سکتی ہے، نہ وہ لیگ جو اپنی ہستی کے قیام کے لیے لوگوں کی مہربانی کی نگاہوں کی جستجو میں بیٹھی رہے۔"

(احمدیت یعنی حقیقی اسلام صفحہ ۲۳۰)

پھر آپ نے "نظام نو" میں فرمایا :۔

"لیگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ وہی لیگ کامیاب ہو سکتی ہے جو قرآن شریف کی بتائی ہوئی ہدایات کے مطابق ہو۔" (نظام نو صفحہ ۱۰۶)

جیسا کہ میں نے بتایا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک وعدہ کیا کہ تمام اقوام عالم کو ایک سلسلہ میں پرو دیا جائے گا، بین الاقوامی وحدت کو قائم کیا جائے گا۔

پھر یہ فرمایا کہ بین الاقوامی وحدت کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ بین الاقوامی امن کی ضمانت دی جائے اور دعویٰ

کیا کہ قرآن کریم کی شریعت بین الاقوامی امن کی ضمانت دیتی ہے ۔ اس شریعت کے احکام پر عمل کرو تو تمام دنیا کی اقوام میں اگر جھگڑے پیدا ہو بھی جائیں تو یہ انصاف اور عدل کے اصول پر طے ہو جائیں گے اور امن کو کسی قسم کا دھکا نہیں لگے گا پس قرآن کریم نے بڑی تفصیل سے یہ تعلیم دی جس کے نتیجہ میں دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے چونکہ مَثَابَةً کے مقصد کے حصول کی ذمہ داری جماعت احمدیہ پر ہے اس لیے اس کی ذمہ داری بھی جماعت احمدیہ پر ہے کہ وہ دنیا میں کثرت کے ساتھ اس تعلیم کی اشاعت کرے جو قرآن کریم نے دنیا میں قوموں کے درمیان امن قائم کرنے کے لیے ہمیں دی ہے، کیونکہ اگر دنیا اندھیرے میں رہے تو قیامت کے روز کہہ سکتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں تو علم نہیں تھا، جن کو علم تھا اور جن کے کندھوں پر تُو نے یہ ذمہ داری رکھی تھی کہ وہ ہمیں علم دیں اُنھوں نے ہم تک یہ علم نہیں پہنچایا اس لیے ہمیں بے قصور قرار دے اور جن کا قصور ہے ان پر اپنے غضب کا اظہار کر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔

دسواں مقصد بیت اللہ کی تعمیر کا یہ بیان ہُوا تھا: اِتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّى جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ مکّہ کے ذریعہ، بیت اللہ کے ذریعہ اور اس میں مبعوث ہونے والے عظیم الشان نبی کے طفیل اقوام عالم مقام عبودیت کا عرفان حاصل کریں گی اور اس حقیقی عبادت کی بنیاد یہاں ڈالی جائے گی جو تذلّل اور فروتنی اور انکسار کے منبع سے پھوٹتی ہے اور اس طرح قوم قوم میں محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ظلّ پیدا ہونگے اور زمین کے خطّہ خطّہ پر اشاعتِ اسلام کے لیے مراکز قائم کیے جائیں گے، جہاں عاجزانہ دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اقرار کیا جائے گا اور اظہار کیا جائے گا اور اس عاجزی اور تذلّل کے نتیجہ میں جو محض خدا کی خوشنودی اور رضا کے حصُول کے لیے اختیار کیا جائے گا وہ اقوام آسمانی برکات حاصل کریں گی اور بخشش کی مستحق ٹھہریں گی۔

تو فرمایا تھا کہ یہاں مکّہ کے ذریعہ اس شریعت کے طفیل جو یہاں نازل ہو گی صلوٰۃ کو اپنے تمام معانی اور تمام شرائط کے ساتھ ادا کرنے والی اُمّت پیدا ہو جائے گی جو مقامِ عبودیت پر مضبوطی سے قائم ہو گی۔

دراصل اس کا تعلّق بھی پہلے دو مقاصد سے ہے کیونکہ آٹھواں وعدہ یہ تھا کہ تمام اقوام کو ایک اُمّتِ مُسلمہ بنا دیا جائے گا ایک قوم بنا دیا جائے گا۔ یہ ہو نہیں سکتا جب تک امن عالم کا قیام نہ ہو۔ تو پہلے وعدہ دیا اور پھر اس وعدہ کو قرآن کریم کی

شریعت کے رنگ میں پورا کیا کہ وہ کامل تعلیم امن جو اقوام عالم کے درمیان امن کو قائم کرنے کے لیے تھی وہ انسان کو دی گئی اور اب دوسرے مقصد میں اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ اس تعلیم پر عمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُمّتِ محمدیہ یعنی موعودہ اُمّت تذلّل اور عاجزی کو اختیار کرنے والی نہ ہو۔ اس واسطے کہا اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى اس کے بغیر تم عالمگیر امن کو دنیا میں قائم نہیں کر سکتے تو یہاں وعدہ دیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ ایک ایسی اُمّت پیدا کی جائے گی جو مقامِ عبودیت پر مضبوطی سے قائم ہوگی۔ حضرتِ مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے کامل متّبعین جو اپنے مقامِ عبودیت کو پہچانتے ہیں اور مضبوطی سے اس پر قائم ہیں وہ ہیں جو:

"بشہود کبریائی حضرت باری تعالیٰ ہمیشہ تذلّل اور نیستی اور انکسار میں رہتے ہیں اور اپنی اصل حقیقت ذلّت اور مفلسی اور ناداری اور پُر تقصیری اور خطاواری سمجھتے ہیں اور ان تمام کمالات کو جو اُن کو دیئے گئے ہیں اُس عارضی روشنی کی مانند سمجھتے ہیں، جو کسی وقت آفتاب کی طرف سے دیوار پر پڑتی ہے جس کو حقیقی طور پر دیوار سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہوتا اور لباسِ مستعار کی طرح معرضِ زوال میں ہوتی ہے پس وہ تمام خیر و خوبی خدا ہی میں محصور رکھتے ہیں اور تمام نیکیوں کا چشمہ اسی کی ذات کامل کو قرار دیتے ہیں اور صفاتِ الٰہیہ کے کامل شہود سے ان کے دل میں حق الیقین کے طور پر بھر جاتا ہے کہ ہم کچھ چیز نہیں ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے وجود اور ارادہ اور خواہش سے بکلّی کھوئے جاتے ہیں اور عظمتِ الٰہی کا پُر جوش دریا اُن کے دلوں پر ایسا محیط ہو جاتا ہے کہ ہزارہا طور کی نیستی اُن پر وارد ہو جاتی ہے اور شرکِ خفی کے ہر یک رگ و ریشہ سے بکلّی پاک اور منزّہ ہو جاتے ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۴۵۳ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے:۔

"نماز کے اجزا اپنے اندر ادب، خاکساری اور انکساری کا اظہار رکھتے ہیں۔ قیام میں نمازی دست بستہ کھڑا ہوتا ہے، جیسا کہ ایک غلام اپنے آقا اور بادشاہ کے سامنے طریق ادب سے کھڑا ہوتا ہے۔ رکوع میں انسان انکسار کے ساتھ جھک جاتا ہے۔ سب سے بڑا انکسار سجدہ میں ہے، جو بہت ہی عاجزی کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔"

{مرآۃ الحقائق جلد سوم مجموعہ فتاویٰ احمدیہ مطبوعہ ۱۳۲۵ھ
مرتبہ مولوی محمد فضل صاحب چنگوی صفحہ ۱۵}

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ ہم اپنے فضل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں ایک ایسی جماعت پیدا کرتے رہیں گے، جو انکسار اور تذلّل اور فروتنی اور تواضع کے مقام کو مضبوطی سے پکڑے اور اس تذلّل اور انکسار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اُس امن کے قیام کے امکانات پیدا کرے گا جو ضمناً میں بیان ہوئے ہیں اور جس کی تعلیم قرآن کریم نے تفصیل سے ہمیں دی ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ حقیقی عبادت (۱) محبّت و ایثار اور (۲) تذلّل و انکسار ہر دو کے خمیر سے پرورش پاتی ہے، لیکن کبھی محبت کا پہلو نمایاں ہوتا ہے اور کبھی تذلّل اور فروتنی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا حُسن اور اس کا احسان جلوہ فگن ہوتا ہے تو انسان کا دل اپنے ربّ کی محبّت سے بھر جاتا ہے اور ایک عاشق زار کی طرح وہ اس کی ہر آواز پر لبّیک کہتا ہے۔ وہ اس کے گرد گھومتا ہے۔ وہ نیستی کا لبادہ پہن کر اسی میں کھو جاتا ہے اور اس کے اپنے وجود پر کلیۃً ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور ایک نئی زندگی اس کے رب کی طرف سے اسے عطا ہوتی ہے۔ مگر دنیا اسے نہیں پہچانتی۔ اور وہ اس کی کچھ پروا بھی نہیں کرتا۔

لیکن جب خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا جلوہ اس پر ظاہر ہوتا ہے تو اس کا دل خوف و رجا اور اُمید و بیم سے لبریز ہو جاتا ہے۔ عظمت الٰہی اور جلال الٰہی کے اس جلوہ کے بعد اس کی اپنی کوئی بزرگی اور عظمت باقی نہیں رہتی۔

وہ فروتنی کا جامہ پہن لیتا ہے۔ انکسار کو اپنا شعار بناتا ہے اور تذلّل کی گرد سے غبار آلود اور اغبر نظر آتا ہے۔ وہ عاجز راہوں کو اختیار کرتا ہے اور عاجزی کے ساتھ اور خوف زدہ دل کے ساتھ لرزاں اور ترساں اپنے ربّ کے حضور جھکتا ہے اور اس کی عظمت اور جلال کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے جسم کا ہر ذرّہ اور اس کی رُوح کا ہر پہلو اپنے ربّ کے خوف سے کانپ رہا ہوتا ہے اور عظمت و جلال کا یہ جلوہ اُسے اس حقّ الیقین پر قائم کر دیتا ہے کہ اس عظمت کے مقابلہ میں سب مخلوق مُردہ اور لاشئے محض ہے۔ اور اُن سے کسی بھلائی کی اُمّید نہیں رکھی جا سکتی اور نہ وہ بذاتِ خود اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ اگر امید وابستہ کی جا سکتی ہے تو صرف ذوالجلال والاکرام سے۔ تب خوف کے ساتھ ایک اُمّید و رجا بھی اس کے سینۂ صافی میں پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنی سب امیدوں کو اپنے ربّ سے ہی وابستہ کر لیتا ہے اور صرف اُس پر توکّل رکھتا ہے اور حاجت براری کے لیے صرف اسی کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے۔ اس کا دل اس یقین سے پُر ہوتا ہے کہ جو کچھ ملنا ہے صرف اسی در سے ہی ملنا ہے۔ جوتی کا ایک تسمہ ہو یا دنیا جہان کی عزّتیں۔

جس شخص پر عظمت و جلال کا یہ جلوہ ظاہر ہو، وہ یہ نہیں کیا کرتا کہ کشوف و رویا کا ایک کشکول بنائے اور قبولیّتِ دُعا کے واقعات سے اسے سجا کر دَر دَر پھرے اور دنیا والوں سے دنیا کی عزّت اور احترام اور توصیف اور تحسین کی بھیک مانگے۔ اور دنیا کی نگاہوں میں اپنے لیے کسی احترام کا متلاشی ہو۔ ایک مُردہ سے اُسے کیا لینا ہے؟ اور ایک لاشہ نے اسے کیا دینا ہے؟ جس کی عظمت اور جلال کے خوف نے اور جس کی بے پایاں رحمت کی اُمّید نے جس دَر کا فقیر اسے بنا دیا وہ اسی در پر دھونی رمائے امید و بیم کے درمیان زندگی کے دن پورے کر دیتا ہے، تب اس کا رب اُس سے راضی ہوتا ہے اور محبّت سے اپنی گود میں اُسے بٹھا لیتا ہے اور دنیا اور آخرت کی جنّتیں اسے مل جاتی ہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک ایسی ہی امّت کے معرضِ وجود میں آنے کی بشارت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی اور خدا کی قسم اس نے اپنے وعدہ کو پورا کر دکھایا۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

منقول از روزنامہ الفضل ۔ ربوہ
مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۶۷ء

بیت اللہ

روحانی اور جسمانی پاکیزگی کے حصول

اور

اُس کی ترویج کا مرکز

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۲۶ رمئی ۱۹۶۷ء

بمقام مسجد مبارک، ربوہ

"بیت اللہ ایک مرکزی نقطہ ہے اور ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تمھیں اس کے اظلال بھی بنانے پڑیں گے، یعنی اس کی نقل میں انہی مقاصد کے حصول کے لیے اسی قسم کی پاکیزگی اور طہارت کو پیدا کرنے کے لیے جگہ جگہ پر ایسے مراکز کھولنے پڑیں گے، جو بیت اللہ کے ظلّ ہوں گے اور ان کے قیام کی غرض وہی ہو گی، جو بیت اللہ کے قیام کی غرض ہے۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہِ الکریم

تشہّد، تعوّذ اور سُورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

پچھلے خطبات میں مَیں نے تعمیرِ بیت اللہ کے متعلق دس مقاصد کا ذکر کیا تھا اور اُن پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ جو آیات مَیں اُن خطبات کے شروع میں پڑھ رہا ہوں، مَیں نے بتایا تھا کہ ان میں تیئیس۲۳ مقاصد کا ذکر ہے۔ دس کے متعلق مَیں اِس سے پہلے کچھ کہہ چکا ہوں۔

گیارہواں مقصد یا گیارھویں غرض تعمیرِ بیت اللہ کی طَہِّرَا کے الفاظ میں بیان ہوئی تھی کہ تم اس بیت اللہ کی تطہیر کا انتظام کرو، اس کو پاکیزہ رکھنے کا انتظام کرو، اس کی صفائی کا انتظام کرو اور اس میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ اس گھر کو ظاہری صفائی اور باطنی پاکیزگی اور طہارت کا مرکز بنانا چاہتا ہے۔ یہ غرض بھی خاتم الانبیاء اور افضل الرُّسل محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے پُوری ہوئی۔ آپ کی شریعت میں ظاہری اور جسمانی صفائی اور رُوحانی پاکیزگی کے حصول کے متعلّق ایک کامل اور مکمّل تعلیم ہمیں عطا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ کی آیات ۱۵۱ اور ۱۵۲ میں فرماتا ہے کہ جہاں کہیں بھی تم ہو جو کام بھی اسلامی شریعت کی ہدایات کے مطابق تم کرو اُس میں اِس بات کا خیال رکھو کہ تمہیں خاص مقاصد اور اغراض کے پیشِ نظر پیدا کیا گیا ہے اور تم پر یہ ذمّہ داری عاید ہوتی ہے کہ تم ان مقاصد کو پورا کرو اور تمام دنیا میں، اقوامِ عالم میں شریعتِ اسلامیہ کو قائم کرو اور اسے زندہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہیں جو اس طرف توجّہ دلا رہا ہوں کہ تم بیت اللہ کے ساتھ تعلّق رکھنے والے مقاصد کو ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا کرو۔ یہ اس لیے ہے کہ مَیں اپنی نعمت کو تم پر پُورا کرنا چاہتا ہوں وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ۔ اِتمامِ نعمت کی غرض سے یہ مقاصد مَیں نے تمہارے سامنے رکھے ہیں اگر تم ہماری بتائی ہوئی ہدایات

کے مطابق ان مقاصد کے حصول کے لیے سعی کرو گے اور خلوص نیت سے ہمارے احکام بجا لاؤ گے تو تم پر ہماری جو نعمتیں ہوں وہ اس طور کی ہوں گی اور اس نوعیت اور اس قسم کی ہونگی کہ ان کے متعلق اِتمام نعمت کا فقرہ بولا جا سکے گا۔ اور لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا (آیت ۱۵۲ میں) کہ ایک رسول تمھاری طرف بھیجا گیا ہے، جو پاکیزگی کی تعلیم تمہیں دیتا ہے۔

چونکہ طبعاً سوال پیدا ہوتا تھا کہ اے خدا! مقاصد کا تو ہمیں پتہ چل گیا، مگر ہماری کوششوں کی راہوں کی ابھی تعیین نہیں کی گئی، اگر تعیین ہو جاتی تو ہمارے لیے سہولت ہوتی۔ اس لیے دوسری آیت (۱۵۲) میں بتا دیا کہ جو راہ تمھیں میرا پیارا محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بتائے وہی وہ راہ ہے جو پاکیزگی کی طرف لے جاتی ہے اور جس راہ پر چل کر تم مقاصد تعمیر بیت اللہ کو حاصل کر سکتے ہو، فرمایا کہ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ کہ تمھارے تزکیہ کے سامان اس رسول کے ذریعہ سے ہم نے مہیّا کر دئے ہیں۔ اس لیے کہ وہ آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور اس کی حکمتیں بیان کرتا ہے۔

پس طَھِّرَا میں جو غرض بیان کی گئی تھی اور جس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا تھا، اس کو پورا کرنے والے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ خود قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آپ اس غرض کو پورا کرنے والے ہیں، کیونکہ یہاں مسجد حرام، مقاصد کا سامنے رکھنا، اتمامِ نعمت اور تزکیۂ نفوس اور اس کے طریق یہ تمام باتیں ان دو آیتوں میں اکٹھی کر دی گئی ہیں۔

سورۂ بقرہ کی ان آیات میں عام پاکیزگی کا ذکر تو ہے لیکن زیادہ زور روحانی اور دینی پاکیزگی پر ہے۔ سورۂ مائدہ کی آیت سات میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اگر تم جُنُبی ہو تو نہا لیا کرو۔ اس میں یہ تعلیم دی کہ اسلام میں جسموں کو پاک اور صاف رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس لیے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ جسم کی صفائی اور کپڑوں کی صفائی اور گھر کی صفائی اور ماحول کی صفائی اور مساجد کی صفائی اور ان کی پاکیزگی اور طہارت کا خیال رکھنا اور زبان کی صفائی اور کان کی صفائی اور آنکھ کی صفائی اور ناک کی صفائی کے بارے میں تعلیم بیان کی ہے۔ اس تعلیم کی تفصیل میں میں اس وقت نہ جانا چاہتا ہوں اور نہ میرے لیے اس کی تفصیل میں جانا ممکن ہے۔ بہر حال قرآن کریم پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں (جس سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا) کہ قرآنی شریعت میں جتنا زور ظاہری اور باطنی صفائی اور پاکیزگی پر دیا گیا ہے اس کا سواں حِصّہ، شاید ہزارواں حِصّہ بھی پہلے کسی مذہب نے ان باتوں پر زور نہیں دیا۔ تو جو مقصد طَھِّرَا کے اندر بیان ہوا تھا اس کو

پُورا کرنے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث کیا گیا اور آپ نے اس مقصد کا حصول اُمّتِ مسلمہ کے لیے ممکن بنا دیا۔ کیونکہ صفائی کی ہر شاہراہ کی طرف ہمیں ہدایت دی۔ اور ہر تعلیم جو صفائی سے تعلّق رکھنے والی اور پاکیزگی اور طہارت سے تعلق رکھنے والی تھی کھول کر ہمارے سامنے بیان کر دی اور ان ہدایات پر عمل کرنے کی راہیں ہم پر آسان کر دیں۔ اس سے پہلے کسی نبی نے اِن میدانوں میں اتنا عظیم کام نہیں کیا، پس مقصد ہے پاکیزگی اور طہارت۔ اور اس کے حصول کا ذریعہ بنے ہیں محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ اور اس کے حصول کی ذمّہ داری پڑتی ہے اُمّتِ مُسلمہ پر اور اس زمانہ میں مسلمانوں میں سے اس جماعت پر جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بعثت سے ازسرِ نَو خدا اور اس کے رسول کے لیے زندہ کیا گیا ہے۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تم پر کسی قسم کی تنگی اور سختی کرنا نہیں چاہتے تمھیں پاک کرنا اور تم پر اپنے احسان کو پُورا کرنا ہمارا مقصد ہے۔ اگر روحانی پاکیزگی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ جسمانی صفائی اور پاکیزگی کی تعلیم نہ دی جاتی تو اللہ تعالیٰ کا انعام اور احسان ادھورا رہ جاتا مگر وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ۔ اس نے یہی پسند کیا کہ وہ اپنے احسان کو پُورا کرے اور اتمامِ نعمت کرے۔ اس نے یہ تعلیم اس لیے دی ہے تا تمھارے اندر کوئی گند باقی نہ چھوڑے اور کامل اور مکمّل طور پر تمھیں پاک اور مُطہّر بنا دے۔

اسی طرح قرآن کریم نے پانی کے متعلّق فرمایا کہ اس کے بہت سے فوائد ہیں۔ ایک یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے تم ظاہری صفائی کرتے ہو، کپڑے دھوتے ہو، برتن دھوتے ہو، گلیاں صاف کرتے ہو، مکانوں کو دھوتے ہو، جسموں کو دھوتے ہو۔ ہزار پاکیزگیاں ہیں جو پانی کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہیں (مَآءً لِّیُطَھِّرَکُمْ بِہٖ۔ الانفال: آیت ۱۲) تو قرآن کریم ظاہری اور باطنی صفائی اور پاکیزگی کی تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔ اور صرف نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ہے جن کے ذریعہ تعمیر بیت اللہ کا یہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔

خانۂ خدا کی تعمیر کی بارھویں غرض لِلطَّآئِفِیْنَ میں بتائی گئی تھی اور اس لفظ میں اس طرف اشارہ تھا کہ اقوام عالم کے نمایندے بار بار یہاں اس لیے جمع ہوں گے کہ وہ پاکیزگی اور طہارت کی تعلیم حاصل کریں اور پھر اپنے اپنے علاقہ میں جا کر اس تعلیم کو پھیلائیں اور اس کی اشاعت کریں۔ یہ غرض بھی حقیقی طور پر صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلّم کے ذریعہ پوری ہوئی ہے۔ قرآن کریم نے اسی مقصد کے پیش نظر یہ حکم دیا:

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ

مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ

اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○ (سورۂ توبہ آیت ۱۲۲)

یعنی مومنوں کے لیے یہ تو ممکن نہیں کہ وہ سارے کے سارے مرکزِ اسلام میں اکٹھے ہو جائیں۔ کیونکہ اسلام کی مخاطب اقوام عالم ہیں۔ اقوام عالم مرکزِ اسلام میں کسی وقت بھی اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ لیکن مرکز کے ساتھ اقوام عالم کا پختہ تعلّق قائم رہنا بھی ضروری ہے، اس کے لیے اللہ فرماتا ہے کہ ہم تمھیں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ چونکہ سب کا اکٹّھا ہونا یہاں ممکن نہیں اس لیے کیوں نہ ہوا کہ اُن کی جماعت میں سے ایک گروہ نکل پڑتا تاکہ وہ دین کو پوری طرح سیکھتے اور واپس لَوٹ کر اپنی قوم کو بے دینی سے بچاتے۔ اور اس طرح گمراہ ہونے سے اُن کو بچا لیتے۔ انذار کے ذریعہ اور تخویف کے ذریعہ۔

تو یہاں قرآن کریم نے اُمّتِ مُسلمہ کو جو اقوام عالم پر مشتمل اور اکنافِ عالم میں پھیلی ہوئی ہے یہ حکم دیا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک کی ایک نمایندہ جماعت مرکز میں آتی رہنی چاہیئے تاکہ وہ دین سیکھے اور ضروریات وقت سے آگاہ ہو اور اِس بات کا علم حاصل کرے کہ اسلام کے لیے موجودہ زمانہ میں کس قسم کی قربانیوں کی ضرورت ہے اور اُن کو معلوم ہو کہ ان کا امامِ وقت کن کاموں کی طرف اور کن منصوبوں کی طرف اُنھیں بلاتا ہے اور تاکہ وہ ان کی حکمتوں کو سمجھیں تا جب وہ واپس جائیں تو اپنے اپنے علاقہ میں اپنے دوسرے بھائیوں کو یہ بتائیں کہ اس وقت اسلام پر مثلاً فلاں فلاں طرف سے حملہ ہو رہا ہے اس کے جواب کے لیے تم تیّار ہو جاؤ۔ اسلام کے خلاف دجل کے یہ طریق استعمال کیے جا رہے ہیں اور اس وجہ سے اسلام کی حفاظت اور اسلام کی بقا کے لیے اور اسلام کی ترقی اور استحکام کے لیے جماعت کے سامنے یہ منصوبہ رکھا جا رہا ہے۔ ان قربانیوں اور ایثار کے نمونوں کو پیش کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو جاؤ اور عملی طور پر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں قبیلوں کے نمایندے مدینہ میں آپؐ کے پاس جمع ہوتے رہتے تھے۔ علم دین سیکھنے

اور علم قرآن سیکھتے۔ قرآن کریم کے بعض حصّوں کو یاد کرتے۔ تَفَقُّه فِی الدِّین حاصل کرتے اور پھر وُہ اپنی قوم میں واپس جاتے اور اس طرح احیاءِ دین اسلام کے سامان پیدا کرتے۔ جو لوگ وہاں مدینہ میں آتے وہ بھی اپنے وقت کی قربانی دیتے، علمِ دین سیکھنے کے لیے بھی اور علمِ دین سکھانے کے لیے بھی اور اُن سے علمِ دین سیکھنے والے بھی اپنے وقت خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو مدینہ میں آنے کا اُن کے نفسوں کو تو فائدہ پہنچ جاتا اُن سے دوسروں کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔ لیکن اس سکیم اور اس منصوبہ کی اصل غرض تو تھی ہی یہ کہ لوگ باہر سے مرکز میں آئیں، دین سیکھیں۔ ضروریاتِ اسلام کا علم حاصل کریں۔ پھر واپس جائیں اور یہ باتیں اپنے دوسرے بھائیوں کو بتائیں۔

پس "طواف" کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، جب تک یہ طائفہ و طائفین اور یہ لوگ وقت کی قربانی دینے والے نہ ہوں۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام نے پاکیزگی اور طہارت کی تعلیم دی ہے اور خدا تعالےٰ نے ایسی امّت پیدا کر دی ہے جو اپنے وقتوں کو قربان کر کے خدا اور اس کے رسول کے لیے مرکز میں جمع ہوتے ہیں اور واپس جا کر خدا اور رسول کی رضا کے لیے اپنے بھائیوں کو علمِ قرآن سکھاتے، علمِ دین اُن کو بتاتے، جو تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں اسلام کی حفاظت یا اسلام کی اشاعت کے لیے وہ باتیں اُن کے سامنے رکھتے، اور اُن کے دل میں خدا کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے کے لیے بشاشت پیدا کرتے ہیں۔

اس حکم کو اس وقت کی قوموں اور قبائل نے خوب اچھی طرح سمجھا تھا، چنانچہ ابن عباسؓ سے روایت ہے:

كَانَ يَنْطَلِقُ مِنْ كُلِّ حَيٍّ مِّنَ الْعَرَبِ عِصَابَةٌ فَيَأْتُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْأَلُوْنَهُ عَمَّا يُرِيْدُوْنَ مِنْ اَمْرِ دِيْنِهِمْ وَيَتَفَقَّهُوْنَ فِيْ دِيْنِهِمْ۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۸۸ سورۃ توبہ۔ آیت وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ)

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ میں سے ایک جماعت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھی اور جن باتوں کا انھیں پہلے علم نہ ہوتا ان کے متعلق وہ پوچھتے۔ بصیرت حاصل کرتے۔ مسائل کی حکمتیں

معلوم کرتے اور پختہ ہو جاتے اپنے دین پر۔ اور تفقّہ فی الدّین کو حاصل کرتے، پھر وہ واپس جاتے اور دوسروں کو جا کر وہ سکھاتے تھے۔ چنانچہ بہت تفصیل کے ساتھ ان وفود کا ذکر ہماری تاریخ میں پایا جاتا ہے، جو اس غرض کے لیے اور اس حکم کے پورا کرنے کے لیے مدینہ میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور دین سیکھنے کے لیے وہاں ٹھہرتے تھے۔ ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ، پھر تیسرا گروہ، پھر ایک اور گروہ آجاتا تھا۔ ایک تسلسل جاری تھا اور اس تسلسل میں دین کی بقا کے سامان رکھے گئے تھے۔ مثلاً تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ایک وقت میں بحرین سے چودہ نمایندے آئے تھے اور اسی طرح حضرموت (یمن) سے اسّی نمایندے آئے تھے اور اسی طرح ستّر اسّی افراد پر مشتمل ایک وفد بنو تمیم کا آیا دین سیکھنے کے لیے، اور یہ وفود لَقُوْا بِالْمَدِیْنَۃِ مُدَّۃً یَّتَعَلَّمُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَالدِّیْنَ ثُمَّ خَرَجُوْا اِلٰی قَوْمِھِمْ دین سیکھا، پھر اپنی قوم میں گئے اور انھیں دین سکھلایا۔

میں نے یہ چند مثالیں صرف اس لیے بیان کی ہیں تاکہ ہماری جماعتوں پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اب تو وہ شاید ایک نمایندہ بھی نہیں دیتیں ان کلاسز کے لیے جو یہاں جاری کی جاتی ہیں۔ لیکن اس طرح کام نہیں بنے گا بلکہ کافی تعداد میں لوگوں کو یہاں آنا پڑے گا۔ تب ہم دین اسلام کی خدمت کما حقّہٗ کر سکتے ہیں۔

بہرحال اس کی تفصیل تو میں اس وقت بتاؤں گا، جب میں ان مقاصد پر بطور وعدہ کے بیان کو ختم کر چکوں گا اور ان وعدوں پر بطور ذمّہ داری کے اپنے بیان کو شروع کروں گا کیونکہ یہ ساری ذمّہ داریاں ہیں جو مسلمانوں پر اور خصوصاً اِس وقت میں ہم احمدیوں پر عاید ہوتی ہیں۔

تیرھواں مقصد وَالْعٰکِفِیْنَ میں بیان ہُوا تھا اور بتایا گیا تھا کہ اس کے ذریعہ سے ایک ایسی قوم پیدا کی جائے گی جو اپنی زندگی خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کرنے والی ہو گی اور واقفین کے اس گروہ میں قوم قوم اور ملک ملک کے نمایندے شامل ہوں گے۔ یہ غرض بھی صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وجود سے پوری ہوئی ہے، اِس سے پہلے اس کے پورا ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، کیونکہ قوم قوم کے نمایندے وہاں آ ہی نہ سکتے تھے۔ مکّہ کا نہ انھیں علم تھا نہ اس کی محبّت ان لوگوں کے دلوں میں تھی۔ میں نے بتایا ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان مقاصد کو پورا کیا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ اَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ (سورۃ البقرۃ: آیت ۱۸۸) اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم تم سے یہ اُمّید رکھتے ہیں کہ تم مساجد میں اعتکاف بیٹھا کرو۔ دنیا کے تمام تعلّقات سے مُنہ موڑ کر خالصتہً خدا کے لیے اپنی زندگی کے چوبیس گھنٹے چند ایّام کے لیے گزارو۔ تاکہ وقف کی رُوح کو زندہ کیا جائے۔ اور چونکہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنایا گیا ہے۔ اس لیے وَ اَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ کے معنے یہ ہوئے کہ میری خاطر تمھیں خِطّہ خِطّہٴ زمین میں بطور واقف کچھ وقت گزارنا پڑے گا کیونکہ جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی اشارۃً بتایا تھا خانہ کعبہ یا بیت اللہ ایک مرکزی نقطہ ہے اور ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تمھیں اس کے اظلال بھی بنانے پڑیں گے یعنی اسی کی نقل میں انہی مقاصد کے حصول کے لیے، اسی قسم کی پاکیزگی اور طہارت کو پیدا کرنے کے لیے جگہ جگہ پر ایسے مراکز کھولنے پڑیں گے جو بیت اللہ کے ظلّ ہوں گے اور ان کے قیام کی غرض وہی ہوگی جو بیت اللہ کے قیام کی غرض ہے۔ اللہ تعالےٰ نے یہاں یہ بتایا کہ اَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ ہر اُس جگہ پر جہاں اُمّتِ مُسلمہ تقویٰ کی بنیادوں پر بیت اللہ کا ظلّ قائم کرے گی، تمھیں بطور واقف کے بیٹھنا پڑے گا ورنہ یہ مقصد پُورا نہیں ہوگا۔ اس کے متعلّق بھی مَیں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ لیکن مجھے خیال آیا کہ اگر خانہ کعبہ کی تعمیر کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ واقفینِ اُمم یعنے ہر مقام اور قبائل کے جو واقف ہیں وہ مرکز یا اس کے ظلّ میں آکر جمع ہوں اور وہاں بیٹھیں تو وقف اور ہجرت میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ صرف مکّہ سے ہی نہیں بلکہ دوسرے علاقوں سے بھی قبائل کے بعض نمایندے اپنے علاقہ کو چھوڑ کے اور اپنے قبیلے کو چھوڑ کر مدینہ میں آکے دُھونی رما کے بیٹھ گئے تھے اور پھر وہیں بیٹھے رہے۔ ان کی جو ہجرت تھی اپنی قوم یا اپنے ملک سے وہ اس قسم کی نہیں تھی جو مکّہ سے ہجرت تھی، بلکہ اس قسم کی تھی جو ایک واقف کی ہجرت ہوتی ہے جو اپنا علاقہ چھوڑ کے، اپنی رشتہ داریاں چھوڑ کے، اپنے گھر بار کو چھوڑ کے، اپنی جائداد کو چھوڑ کے خدا کے لیے مرکز میں آجاتا ہے اور پھر مرکز کی ہدایت کے مطابق دنیا کے مختلف حصّوں میں کام کرتا ہے۔ مثلاً یمن میں ایک قبیلہ اشعر یمن کا تھا وہاں کے ابُوموسیٰ اشعری بڑے مشہور بزرگ صحابی ہیں۔ اُن کے ساتھ اسّی نفوس ہجرت کرکے مدینہ میں آگئے اور اسی طرح اور بہت سے قبائل ہیں تاریخ میں جن کا ذکر آتا ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت سے استفادہ کے لیے وہ مدینہ میں آگئے تھے جن میں سے ایک

ابوہریرہ بھی ہیں، رضی اللہ عنہ۔

چودھواں مقصد وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ میں بیان ہوا تھا اور بتایا گیا تھا کہ اس کے ذریعہ سے اقوامِ عالم ذات باری اور صفات باری کا کامل عرفان حاصل کریں گی۔ اور اس کے نتیجہ میں اطاعت، فرمانبرداری، ایثار اور فدائیت اور قربانی کے وہ نمونے دکھائیں گی کہ جن کی مثال دنیا میں کوئی اور مذہب پیش نہ کر سکے گا اور جنہیں دیکھ کر دنیا حیرت میں ڈوب جائے گی۔

یہ مقصد بھی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ سے پورا ہوا اور آپ کی قوّتِ قدسیہ کے نتیجہ میں نہ صرف آپ کے زمانہ میں بلکہ بعد میں بھی ہر صدی میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے جو اس مقصد کو پورا کرنے والے تھے۔ اس کی تفصیل میں بھی میں اس وقت جانا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا کی تو جب میں ذمّہ داریوں کی طرف دوستوں کو توجہ دلاؤں گا، اس وقت میں اس کی تفصیل میں جاؤں گا انشاء اللہ۔

پندرھواں مقصد بَلَدًا اٰمِنًا میں بیان ہوا تھا اور وعدہ دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس گھر کو دنیا کے ظالمانہ حملوں سے اپنی پناہ میں رکھے گا اور اس کے مٹانے کی ہر کوشش ناکام کر دی جائے گی۔ بلکہ حملہ آور تباہ اور برباد ہوں گے اور اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ ہم نے مکّہ کی حفاظت ایک خاص غرض کے ماتحت کی ہے اور بتایا تھا مکّہ کی حفاظت اس لیے کی جائے گی تا دنیا پر یہ بات واضح کریں کہ جس نبی اکرم (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو ہم اس مقام سے مبعوث کرنا چاہتے ہیں وہ ہماری حفاظت میں ہوگا۔ اور تا دنیا یہ جان لے کہ جو شریعت ہم یہاں نازل کرنا چاہتے ہیں اس کے بھی ہم ہی محافظ ہوں گے۔

تو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا خدا کی پناہ میں ہونا۔ اور اس نبی معصوم پر جو شریعت نازل ہوئی ہے اس کا پوری طرح اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہونا۔ خانہ کعبہ کی حفاظت میں ان ہر دو کی حفاظت کا وعدہ دیا گیا تھا۔ چنانچہ قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا کہ جو وعدہ کیا گیا تھا اس وعدہ کے مصداق محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں اور فرمایا وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ اس آیت کی ابتدا یوں ہوتی ہے یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط (سورۃ المائدہ: آیت ۶۸

کہ جو ہدایت اور جو تعلیم اور جو شریعت تم پر نازل کی گئی ہے، تم بلا خوف اور بغیر خطرے کے دلیری کے ساتھ اس کی تبلیغ کرو اور اس آبِ حیات کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤ، لیکن ہم تمہیں یہ بتاتے ہیں کہ اس تبلیغ پر دنیا راضی نہیں ہوگی اور خوش نہیں ہوگی بلکہ وہ ہزار منصوبے بنائے گی تمہیں قتل کرنے کے، تمہیں ہلاک کرنے کے، تمہیں مٹا دینے کے، تمہاری تنظیم کو مٹا دینے کے۔ لیکن تم دنیا اور اس کے منصوبوں اور سازشوں کی پروا نہ کرو، کیونکہ ہمارا تم سے یہ وعدہ ہے کہ تم ہماری پناہ میں ہو، ہماری حفاظت میں ہو۔ دنیا جو چاہے کرے، دنیا کی سب طاقتیں بھی اکٹھی ہونا چاہتی ہوں، ہولیں تمہیں تباہ نہیں کر سکتیں۔ تمہیں ہلاک نہیں کر سکتیں۔ اس لیے تم بغیر کسی خوف اور خطرے کے اپنی تبلیغ میں لگے رہو کیونکہ ہم تمہاری حفاظت کرنے والے ہیں۔ ہمارے فرشتے آسمان سے نازل ہوں گے اور تمہیں ہلاکت سے بچائیں گے اور محفوظ رکھیں گے۔

اس آیت کو شروع کیا گیا ہے تبلیغ پر زور دینے سے اور پھر تسلّی دی گئی ہے کہ جب تم تبلیغ کرو گے تو تمہارے خلاف فتنے تو کھڑے ہوں گے مگر تم ہلاک نہیں ہو گے۔ تکلیفیں تو دنیا میں دنیا والوں سے خدا تعالیٰ کے لیے خدا کے بندوں کو پہنچتی ہی ہیں لیکن تم خدا تعالیٰ کی پناہ میں ہو اور خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ تمہیں کوئی طاقت ہلاک نہیں کر سکتی، مٹا نہیں سکتی۔ اگر یہ وعدہ اُمّتِ محمدیہ کو نہ دیا جاتا تو بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ کا جو فریضہ تھا وہ کبھی ادا نہ کر سکتی، کیونکہ اُنہیں یہ فکر ہوتی کہ اگر دشمن نے ہمیں ہلاک کر دیا تو تبلیغ کا راستہ کُلّیۃً منقطع ہو جائے گا۔ خدا تعالیٰ نے کہا تم میں سے بعض مارے جا سکتے ہیں۔ تم میں سے بعض ہلاک کیے جا سکتے ہیں۔ تم میں سے بعض قید کیے جا سکتے ہیں۔ تم میں سے بعض تبلیغ کے لحاظ سے پابند کیے جا سکتے ہیں۔ تم میں سے بعض کی زبان بندی کی جا سکتی ہے۔ تم میں سے بعض کی قلم بندی کی جا سکتی ہے۔ لیکن بحیثیتِ مجموعی اُمّتِ مُسلمہ اس قسم کے اِبتلا اور اس قسم کے مصائب سے خدا تعالیٰ کی پناہ میں ہے اور اس قسم کی کوئی مصیبت اس پر نہیں آ سکتی جو صفحۂ ہستی سے اسے مٹا دے۔

اگر آپ غور کریں تو ایک وقت وہ بھی تھا کہ اگر نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم خدا کی حفاظت میں نہ ہوتے تو مکّہ کا کوئی ایک سرِ پھرا آپؐ کو قتل کر دیتا، یعنی اسلام کو مٹانے کے لیے صرف ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ پھر ایک وقت وہ آیا کہ اگر تین ہزار

آدمی مرنے کے لیے تیار ہو جاتے تو بظاہر اسلام کو مٹا دیتے، لیکن خدا نے کہا کہ میں اتنے آدمی اور اتنی طاقت اسلام کے مخالف کو نہیں دوں گا کہ وہ اسلام پر کاری ضرب لگا سکے۔ چنانچہ بدر کے میدان میں قریباً تین گنا طاقت کے ساتھ وہ آئے تھے بعض صحابہ شہید بھی ہوئے، لیکن اُنہیں مٹنے نہیں دیا گیا۔ پھر جب تک مکّہ میں اور عرب میں اسلام مضبوط نہیں ہو گیا، قیصر اور کسریٰ کو خدا نے اجازت نہیں دی کہ وہ اسلام کو مٹانے کی کوشش کر دیکھیں۔ لیکن جب اسلام ملک عرب میں مضبوط ہو گیا تو قیصر و کسریٰ کو بھی اجازت دی گئی کہ وہ اسلام کے خلاف جس قدر چاہیں زور لگائیں اور جو کچھ اُن سے بن آیا اسلام کی مخالفت میں انہوں نے کیا مگر ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھا اور سب سے بڑا معجزہ جو ہمیں نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی وقت بھی مخالفین کو اتنی طاقت نہیں دی گئی کہ وہ اُمّتِ مُسلمہ کو کُلّیۃً مٹا دیں۔ ایک حصّہ نے قربانی دی۔ ایک حصّہ سے اللہ تعالیٰ نے قربانی لینی چاہی اور بشاشت سے اس کی راہ میں اُنہوں نے مصائب کے پہاڑ جھیلے، لیکن اُمّتِ مُسلمہ بحیثیت ایک اُمّت کے ہمیشہ خدا کی پناہ میں رہی۔ اب مثلاً ہمارے زمانہ میں دجّالی طاقتوں نے اس قدر قوت حاصل کر لی ہے کہ اگر وہ چاہتے یا اگر وہ چاہیں تو دنیا کے سارے مسلمانوں کو قتل کر سکتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے جہاں پہلے دُوسری قسم کے معجزے دِکھائے اب یہ معجزہ دکھایا کہ انسان کی عقل پر فرشتوں کا پہرا بٹھا دیا اور اُن کو کہا کہ یہ زمانہ تلوار کے ساتھ مذہب کو مٹانے کا نہیں دلائل سے مقابلہ ہونا چاہیئے۔ ان کے پاس طاقت تو ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہ کو اس طرف سے ہٹا دیا کہ وہ طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کریں۔ پس آج اگر دجّال مادّی طاقت کو استعمال کر کے ہر مسلمان کو قتل کرنا چاہے تو اس کے اندر یہ طاقت تو ہے لیکن خدا نے کہا کہ طاقت تو دیدی ہے لیکن اس کے استعمال کی اجازت نہیں دوں گا، اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کے خلاف۔

جس طرح نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو وعدہ دیا گیا خصوصی حفاظت کا اسی وجہ سے اور اسی غرض کے پیشِ نظر اُمّتِ مُسلمہ کو بھی خصوصی حفاظت کا وعدہ دیا گیا ہے اور عملاً دنیا میں کبھی بھی خدا تعالیٰ نے مخالفین کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ اُمّتِ مُسلمہ کو کُلّیۃً دنیا سے مٹا دیں۔ اپنے ہی حالات دیکھ لو ایک وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قتل کرنے کے لیے ایک آدمی کافی تھا۔ کوئی جماعت آپ کے اردگرد نہیں تھی۔ ایک بار صرف بارہ آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ دہلی

کے سفر میں بڑا بلوہ ہوا، باہر کی دیوار یا دروازہ توڑ کے مخالف صحن میں گھس آئے اور اندر کے دروازے کو توڑ رہے تھے کہ پتہ نہیں کیوں؟ وہ وہاں سے بھاگ اُٹھے اور واپس چلے گئے۔ وہ کیوں بھاگے؟ اس سوال کا جواب اس آیت میں ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہو یا جو قوم خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہو، دنیا کا کوئی مکر، دنیا کا منصوبہ اور دنیا کی کوئی طاقت اُسے یا اُنھیں مٹا نہیں سکتی اور یہ وعدہ جو ہے یہ دلوں کو مضبوط کرنے والا اور قربانیوں پر اُبھارنے والا ہے۔

دُوسرے اس میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ جو شریعت اس نبی کو دی جائے گی وہ بھی محفوظ ہو گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (سورۃ الحجر: آیت ۱۰) کہ اس ذِکر اور اس قرآن کریم کو ہم نے اتارا ہے اور اس کی حفاظت کے سامان مہیّا کرنا بھی ہماری ذمّہ داری ہے جس طرح چاہا اس نے حفاظت کی اور کرتا چلا آرہا ہے۔ جب کثرت کے ساتھ کاغذ پر قرآن کریم لکھا جا کر اس کی اشاعت کے ذریعہ اس کی حفاظت نہیں ہو سکتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے لاکھوں ذہنوں کو اس بات کے لیے تیار بھی کیا۔ اور اس کی طاقت بھی دی کہ وہ قرآن کریم کو حفظ کرلیں اور ان میں سے ہزاروں ایسے بھی پیدا ہوئے جن کا حافظہ اتنا اچھا تھا کہ وہ زیر و زبر کی غلطی بھی کبھی نہیں کرتے تھے لیکن سارے مل کے تو وہ ایسا حافظہ رکھنے والے تھے کہ اگر کوئی غلطی کر جاتا تھا تو دوسرا فوراً اُس کی تصحیح کرنے والا بھی موجود ہوتا تھا یعنی بحیثیتِ مجموعی حافظِ قرآن غلطی نہیں کر سکتے تھے۔

پھر یہ بتانے کے لیے کہ حفّاظ کی یہ کثرت اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت کے ماتحت پیدا ہوئی تھی جب قرآن کریم کاغذ کے اوپر شائع ہونا شروع ہو گیا تو حفّاظ کی تعداد کم ہونی شروع ہو گئی اور اس سے ہمیں یہ بھی پتہ چلا کہ وہ ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ تھا۔ انسانی تدبیر کا اس میں دخل نہ تھا۔ معانی کے لحاظ سے ہر صدی میں اللہ تعالیٰ نے ایسے بزرگ اولیاء پیدا کیے صدی کے شروع میں بھی، صدی کے وسط میں بھی، اور صدی کے آخر میں بھی۔ کہ جو خدا تعالیٰ کی توفیق سے خدا تعالیٰ کا اس قدر قرب حاصل کرنے والے تھے کہ اللہ تعالیٰ خود ان کو علمِ قرآن سکھاتا تھا۔ خود ان کا مُعلّم تھا اور اپنے وقت کی ضرورتوں کو وہ پورا کرنے والے اور اپنے وقت کے مسائل کو وہ حل کرنے والے اور اپنے وقت کی اُلجھنوں کو وہ سلجھانے والے تھے۔

پھر اب بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت ہی زبردست تحریک دنیا میں جاری کی ہے تمام اکنافِ عالم میں اسلام کو غالب کرنے کی اور اسلام کے نُور کو پھیلانے کی اور ہمیں اس نے محض اپنے فضل سے یہ توفیق عطا کی ہے کہ ہم آپؑ کی جماعت میں شامل ہوں اور ہمارے لیے یہ موقع مہیّا کیا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو وہ قربانیاں دے کر جو خدا تعالیٰ ہم سے لینا چاہتا ہے ہم اس کی رضا کو حاصل کرنے والے ہوں اور خدا کرے کہ ہم میں سے ہر ایک اُس کی رضا کو حاصل کرنے والا بنے۔

تو لفظی حفاظت بھی اور معنوی حفاظت بھی قرآن کریم کی اللہ تعالیٰ نے کی۔ ایسے حالات میں ایسے طریق پر یہ حفاظت کی کہ کوئی عقل مند شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ جو قرآن کریم کی حفاظت کی گئی ہے وہ کسی انسانی تدبیر کا نتیجہ نہیں ہے، محض اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ اور خاص اس کی حفاظت کی وجہ سے ہے جس کا اس نے وعدہ دیا تھا وہ اپنے وعدوں کا سچا، اپنے قول کا صادق ہے۔ اس نے اپنے وعدے کو پورا کر دکھایا۔

اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ یہ دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ ہمیں بھی وہ ان بندوں میں شامل کرے کہ جن کے ذمّہ وہ یہ لگائے کہ قرآن کریم کی معنوی حفاظت کرو، یعنی صحیح علمِ قرآن وہ حاصل کرنے والے ہوں۔ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے نہ ہوں۔ اپنے دنیوی مطلب کے حصول کے لیے قرآن کریم کو استعمال کرنے والے نہ ہوں، بلکہ قرآن کریم کے حقیقی علُوم وہ اپنے ربّ سے سیکھنے والے ہوں اور خدا تعالیٰ کے ان پیاروں میں شامل ہوں جن پر خدا تعالیٰ اپنا فضل کرتا اور ان کے ذریعہ سے اس عظیم کتاب مکنُون کے علُوم ضروریہ کے چہرہ پر سے پردوں کو ہٹاتا ہے اور وہ ہمیں ان لوگوں میں شامل نہ کرے جن کی زبان پر تو قرآن ہوتا ہے لیکن جن کا دل قرآن کے نور سے خالی ہوتا ہے۔

(منقول از روزنامہ الفضل ربوہ۔ مورخہ ۴ جون ۱۹۶۷ء)

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قربانیاں دینے والوں

کے

اعمال ضائع نہیں جاتے

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۲؍جون ۱۹۶۷ء

بمقام مسجد مبارک، ربوہ

"بیت اللہ کے فیوض اور برکات کو دیکھ کر دنیا اس نتیجہ پر پہنچے گی، کہ جو لوگ بھی اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے انتہائی قربانیاں دیتے ہیں اور دنیا سے مُنہ موڑ کر صرف اور صرف اُسی کے ہو رہتے ہیں، اُن کے اعمال ضائع نہیں جاتے بلکہ انھیں اُن اعمال متقبولہ کا بہترین بدلہ اور شیریں پھل ملتا ہے اور اُن کے عاجزانہ اور عاشقانہ اعمال کے بہترین نتائج نکلتے ہیں۔"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

خانہ کعبہ کی تعمیر کا سولھواں مقصد وَارْزُقْ اَھْلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ میں بیان ہوا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بیت اللہ کے فیوض اور برکات کو دیکھ کر دنیا اس نتیجہ پر پہنچے گی کہ جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انتہائی قربانیاں دیتے ہیں اور دنیا سے مُنہ موڑ کر صرف اُسی کے ہو رہتے ہیں، اُن کے اعمال ضائع نہیں جاتے بلکہ اُنہیں ان اعمال مقبولہ کا بہترین بدلہ اور شیریں پھل ملتا ہے اور ان کے عاجزانہ اور عاشقانہ اعمال کے بہترین نتائج نکلتے ہیں۔

قرآن کریم نے خود یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ مقصد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور قرآنی شریعت سے پورا ہوا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ سورۂ قصص میں فرماتا ہے وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْھُدٰی مَعَکَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَکِّنْ لَّھُمْ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجْبٰٓی اِلَیْہِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (قصص: آیت ۵۸) یہاں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ قرآن کریم کے مخاطب جب قرآن کریم کی شریعت، قرآن کریم کی ہدایت اور تعلیم اُن کے سامنے پیش کی جاتی ہے، تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم اس ہدایت کی جو تُو لے کے آیا ہے اگر اتّباع کریں تو اپنے ملک سے اُچک لیے جائیں گے، دنیا ہماری دشمن ہو جائے گی اور ہماری مخالف ہو جائے گی، ہمیں تباہ و برباد کرنے کے لیے تیار ہو جائے گی، ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ہم اس ہدایت پر ایمان لاکر اپنی تباہی کے سامان کیوں پیدا کریں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اَوَلَمْ نُمَکِّنْ لَّھُمْ حَرَمًا اٰمِنًا۔ کیا وہ جانتے نہیں کہ ہم نے اِس نبی کا اور اس شریعت کا تعلّق حرم کے ساتھ رکھا تھا اور بیت اللہ کو ایک علامت بنایا تھا اس بات کی کہ یہ نبی اور اس کے ماننے والے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں

ہوں گے اور جو شریعت اس پر نازل ہوگی اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی محض اور محض اللہ تعالیٰ پر ہو گی۔

دنیا کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حرم کعبہ کی حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا۔ حملہ آور ہمیشہ منہ کی کھاتے رہے اور ناکام ہوئے اور دنیا اس بات پر بھی گواہ ہے اور گواہ بنتی رہے گی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقصد کو دنیا کی کوئی طاقت، دنیا کا کوئی منصوبہ، دنیا کی کوئی سازش کبھی تباہ نہیں کر سکتی اور نہ کوئی دجل قرآن کریم کی شریعت میں دخل پا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے ان کو محفوظ اور امن والے مکان میں جگہ دی ہے۔ حرم کعبہ میں بھی، حرم عصمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اور حرم شریعت اسلامیہ یعنی قرآن کریم میں بھی۔ یہ تمام محفوظ چیزیں ہیں محفوظ ہستیاں ہیں، محفوظ مقام ہیں۔ اگر تم اس حرم کے ساتھ اپنے تعلق کو قائم کرو گے تو جس طرح حرم خدا تعالیٰ کی حفاظت میں ہے، اسی طرح تم بھی اس کی حفاظت میں آ جاؤ گے۔ اور یہ بات غلط ہو گی کہ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا دنیا کی کوئی طاقت تمہیں برباد کر سکے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا یُجْبٰۤی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ کہ اس حرم کے ساتھ ہم نے یہ بات بھی لگا دی ہے کہ ہر قسم کے پھل یہاں لائے جاتے ہیں۔ یعنی اس سے تعلق قائم کر کے ہر قسم کے اعمال صالحہ بجا لانا ممکن بھی ہو جاتا ہے۔ اس کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ سے انسان پاتا ہے اور اس کے بہترین نتائج کا وعدہ بھی دیا گیا ہے۔ پس جو بھی خلوص نیت رکھتا ہو اور اس کے اندر کسی قسم کا فساد نہ ہو وہ ان پھلوں کو حاصل کرتا ہے تو یہاں یُجْبٰۤی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ کو حرم کے ساتھ اور حرم کو ان کے موقف وَقَالُوْۤا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا کی تردید میں ایک دلیل ٹھہرا کر اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ ابراہیمی دعا میں جن پھلوں کا، جن جزاؤں کا ذکر تھا، ان کا تعلق حقیقی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ کے ساتھ تھا اور ہے اور قائم رہے گا۔

یہ ثمرات جو ہیں (مِنَ الثَّمَرٰتِ) اس کی تفسیر قرآن کریم میں سورۂ محمد میں بیان فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ
وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ

لِّلشّٰرِبِیْنَ ۵ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ (سورۃ محمد: آیت ۱۶)

اللہ تعالےٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ مُتّقی جو اس ہدایت پر عمل کرتے ہیں جس کے متعلّق یہ کہا گیا ہے کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (سورۂ بقرہ کے شروع میں ہی) ان کا پختہ ایمان اور اُن کے صحیح اعتقادات جو ہیں ان کو ایک باغ کی شکل میں درختوں کی شکل میں پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں بطور مجاز کے اور اُس دنیا میں حقیقی طور پر وہ درختوں کی شکل کو اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ ہماری ہدایت پر عمل کر کے جو لوگ حقیقی معنے میں مُتّقی بن جاتے ہیں ان کو ایک جنّت دی جاتی ہے جس میں ہر قسم کے درخت لگے ہوئے ہوتے ہیں اور فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ۔ اُن کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا کی جاتی ہے اور ان کو بشاشت قلبی عطا کی جاتی ہے کہ اس کے مزے کو چکھ کر وہ ان اعمال کو چھوڑنے کے لیے کسی قیمت پر بھی تیار نہیں ہوتے پس فرمایا کہ ان اعمال صالحہ کو ایسی نہروں میں تبدیل کر دیا جائے گا، اِس زندگی میں بھی، اُس دنیا میں بھی، کہ جن میں ایسا پانی ہو جو خراب ہونے والا نہ ہو یعنی ایک دفعہ اعمالِ صالحہ کا چسکہ پڑ جانے کے بعد پھر یہ چسکہ کبھی چھوٹے گا نہیں۔ پھر جب پختہ ایمان کے نتیجہ میں ان ہدایتوں کے مطابق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی ہیں وہ صحیح معنے میں خلوص دل کے ساتھ اعمال صالحہ بجا لانے لگیں گے تو مزید روحانی ترقیات کے دروازے اُن کے اوپر کھولے جائیں گے۔ وہ باتیں جو پہلے بطور اَسرار کے تھیں اور جو راز تھا روحانی، وہ اُن پر منکشف اور ظاہر ہو جائے گا اور اس کے نتیجہ میں مومن کی روحانیّت ترقی کرے گی اور یہ کیفیّت اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ایک ایسے دودھ کی شکل اختیار کر جائے گی جس کے خراب ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہو گا۔ پھر ان روحانی علوم کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک حقیقی اور گناہ سوز عشق ان میں پیدا ہو جائے گا۔ اپنے وجود پر وہ ایک موت وارد کر لیں گے۔ خدا تعالیٰ کی محبّت میں کھوئے جائیں گے۔ اس کے عشق میں ہمیشہ مست رہیں گے اور ان کیفیّات کو اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ کی شکل دیدی جائے گی۔ یہاں یہ بھی بتایا کہ جو اس کا تجربہ نہیں رکھتا وہ اس کی لذّت کو کیا جانے؟ اور اسی وجہ سے ایسے لوگ عشقِ الٰہی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ کیونکہ بہت سے ابتلاؤں کے کانٹے بھی اس نہر کے گرد بوئے گئے ہیں، لیکن جو ایک دفعہ اس کو چکھ لے اور اللہ تعالیٰ کی محبّت اُسے حاصل ہو جائے،

وہی بتا سکتا ہے کہ وہ لذت جو عشق الٰہی میں ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں۔ اور پھر فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں فنا ہو جائے اور اس کے مقدر میں اَنْھٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ہیں وہ تمام بیماریوں سے شفا حاصل کر لیتا ہے، پھر کوئی بیماری اس کے اوپر حملہ آور نہیں ہو سکتی۔ کلّی شفا وہ پا لیتا ہے۔ تمام شیطانی حملوں سے وہ محفوظ ہو جاتا ہے، گویا کہ وہ خدا کی گود میں آگیا اور کسی قسم کا کوئی خطرہ اس کو نہ رہا۔ یہ کیفیت جو ہے اَنْھٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی کی شکل میں اس دنیا میں بھی ایک رنگ میں اور اُس دنیا میں بھی اُس دنیا کے رنگ میں پیدا ہو جائے گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَھُمْ فِیْھَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ کہ یہ پھل جو ہیں اسلام سے تم پاؤ گے یعنی ہر قسم کے پھل تمہیں دیئے جائیں گے۔ ہر قسم کے درخت ہونگے جو صحیح عقاید ہوں گے وہ درخت کی شکل اختیار کریں گے۔ پھر ایسا ایمان تمہیں دیا جائے گا کہ تم شوق و بشاشت کے ساتھ ہر قسم کی تکلیف کو برداشت کر کے اعمال صالحہ بجا لاؤ گے اور ان اعمال صالحہ کو پانی کی نہروں کی شکل میں بنا دیا جائے گا جن سے وہ باغ پرورش پائیں گے۔ پانی کے بغیر باغ پرورش نہیں پا سکتا۔ اعمال صالحہ کے بغیر صحیح اعتقادات پر انسان قائم نہیں رہ سکتا۔ جب عمل صالح نہ رہے تو پھر اعتقاد بھی بدلنا پڑتا ہے۔ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اس واسطے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآنی شریعت کے اندر خرابی پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ قرآن کریم کے اندر کوئی خرابی پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس عقیدہ کے نتیجہ میں عمل کرنا ہے انسان نے۔ تو فرمایا کہ وہ اعمال صالحہ کی اللہ تعالیٰ سے توفیق پائے گا اور ایسی توفیق پائے گا کہ غَیْرِ اٰسِنٍ پھر اُس کو یہ خطرہ نہیں ہو گا کہ کبھی شیطان بہکا کر اسے دوسری طرف لیجائے۔

پھر اس کے بعد روحانی علوم اور اسرار اس پر کھلیں گے اور دودھ کی شکل اختیار کر لیں گے پھر ان روحانی اسرار کے انکشاف سے اس کے دل میں بے انتہا محبت اپنے رب کے لیے پیدا ہو گی اور یہ محبت الٰہی اَنْھٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ کی شکل اختیار کر جائے گی، پھر اس کے نتیجہ میں وہ ہر قسم کی روحانی بیماری سے محفوظ ہو جائے گا یعنی اَنْھٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی اسے میسر آ جائیں گی پس یہ پھل ہیں جو اسلام اسے دیتا ہے۔ یہ وہ پھل ہیں جن کا اس آیہ میں ذکر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی وَارْزُقْ اَھْلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔

وَمَغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ پھل صرف تمھارے اعمال کے نتیجہ میں نہیں مل سکتا تھا

جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں مغفرت حاصل نہ ہوتی۔ پس اس مغفرت کا وعدہ بھی تمہیں اسلام میں ہی دیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اس آیت کی طرف اشارہ تو نہیں کیا، لیکن میں نے غور کیا اور اگر آپ بھی غور کریں تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اسی آیت کا مفہوم اس اقتباس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے جو میں آپ کو ابھی پڑھ کر سناؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام "آئینۂ کمالات اسلام" میں فرماتے ہیں :۔

"اب ہم کسی قدر اس بات کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے ثمرات کیا ہیں۔ سو واضح ہو کہ جب کوئی اپنے مولیٰ کا سچا طالب کامل طور اسلام پر قائم ہو جائے اور نہ کسی تکلّف اور بناوٹ سے بلکہ طبعی طور پر خدا تعالیٰ کی راہوں میں ہر ایک قوّت اُس کے کام میں لگ جائے تو آخری نتیجہ اس کی اس حالت کا یہ ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ہدایت کی اعلیٰ تجلّیات تمام حُجُب سے مُبرّا ہو کر اُس کی طرف رُخ کرتی ہیں اور طرح طرح کی برکات اس پر نازل ہوتی ہیں اور وہ احکام اور وہ عقاید جو محض ایمان اور سماع کے طور پر قبول کیے گئے تھے اب بذریعہ مکاشفاتِ صحیحہ اور الہاماتِ یقینیہ قطعیہ مشہود اور محسوس طور پر کھولے جاتے ہیں اور مُغلقاتِ شرع اور دین کے اور اَسرار سربستہ ملّتِ حنیفیہ کے اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ملکوتِ الٰہی کا اس کو سیر کرایا جاتا ہے تا وہ یقین اور معرفت میں مرتبہ کامل حاصل کرے اور اس کی زبان اور اس کے بیان اور تمام افعال اور اقوال اور حرکات سکنات میں ایک برکت رکھی جاتی ہے اور ایک فوق العادت شجاعت اور استقامت اور ہمّت اس کو عطا کی جاتی ہے اور شرح صدر کا ایک اعلیٰ مقام اس کو عنایت کیا جاتا ہے اور بشریّت کے حجابوں کی تنگ دلی اور خسّت اور بخل اور بار بار کی لغزش اور تنگ چشمی اور

غلامیٔ شہوات اور رداءتِ اخلاق اور ہر ایک قسم کی نفسانی تاریکی بکلّی اس سے دُور کر کے اس کی جگہ ربّانی اخلاق کا نُور بھر دیا جاتا ہے۔ تب وہ بکُلّی مبدّل ہو کر ایک نئی پیدائش کا پیرایہ پہن لیتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے سنتا اور خدائے تعالیٰ سے دیکھتا اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ حرکت کرتا اور خدائے تعالیٰ کے ساتھ ٹھہرتا ہے اور اس کا غضب خدائے تعالیٰ کا غضب اور اس کا رحم خدائے تعالیٰ کا رحم ہو جاتا ہے اور اس درجہ میں اس کی دعائیں بطور اصطفاء کے منظور ہوتی ہیں نہ بطور ابتلا کے۔ اور وہ زمین پر حجّۃ اللہ اور امان اللہ ہوتا ہے اور آسمان پر اس کے وجود سے خوشی کی جاتی ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ عطیّہ جو اس کو عطا ہوتا ہے مکالماتِ الٰہیّہ اور مخاطباتِ حضرتِ یزدانی ہیں جو بغیر شک اور شبہ اور کسی غبار کے چاند کے نور کی طرح اس کے دل پر نازل ہوتے رہتے ہیں اور ایک شدید الاثر لذّت اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور طمانیت اور تسلّی اور سکینت بخشتے ہیں۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام، صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۱)

یہ وہ ثمرات ہیں جن کا وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو دیا گیا تھا۔ اور یہ وہ ثمرات ہیں جو اُمتِ محمدیہ کو اس کثرت کے ساتھ عطا ہوئے کہ دیکھنے والی آنکھ انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔

سترھویں غرض رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا میں بیان ہوئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ اعمال کوئی شے نہیں جب تک مقبول نہ ہوں اس لیے روحانی رفعتوں کا حصول صرف دُعا کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے اور اس میں اشارہ تھا کہ ایک عظیم نبی یہاں مبعوث ہوگا اور اس کے فیوض روحانی کے طفیل ایک ایسی امّت جنم لے گی جو اس حقیقت کو سمجھنے والی ہوگی کہ انتہائی قربانیاں بھی بے سود اور بے نتیجہ ہیں جب تک عاجزانہ دعاؤں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب نہ کیا جائے

پس دعاؤں کے ذریعہ ہی معرفت کے بلند مقام کو وہ حاصل کرے گی اور دعاؤں کے طفیل ہی اپنے اعمال کے بہترین پھل وہ پائے گی۔

قرآن کریم نے بڑی وضاحت کے ساتھ ان تین مقاصد کا ذکر کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دعا اور قبولیتِ دعا پر اسلام نے جو روشنی ڈالی ہے کسی اور مذہب نے نہیں ڈالی۔ کوئی اور مذہب اس کے مقابلہ میں پیش ہی نہیں کیا جاسکتا اللہ تعالیٰ سورۂ فرقان کے آخر میں عبادُ الرحمٰن کا ذکر کرتا ہے کہ عبادُ الرحمٰن وہ ہیں جو یہ اعمال بجالاتے ہیں یا ان اعمال سے پرہیز کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اَلرَّحمٰن کے معنے ہیں وہ پاک ہستی (اللہ) جو بغیر کسی عمل کرنے والے کے عمل اور بغیر کسی استحقاقِ حق کے اپنا احسان اس پر کرتی ہے۔ آگے عبادُ الرحمٰن کے سارے اعمال کا ذکر ہے جس کا بظاہر صفتِ رحیمیّت کے ساتھ تعلّق ہے۔

پس یہاں مضمون یہ بیان ہوا ہے کہ تم نیک اعمال جتنے چاہو بجالاؤ جب تک رحیمیّت کے ساتھ رحمانیت کا فیض شامل نہیں ہوگا تمہیں کوئی بدلہ نہیں مل سکتا۔ اسی لیے جب یہ مضمون ختم کیا تو آخر میں بڑے پُرشوکت الفاظ میں یہ فرمایا:
قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝ (سورۃ الفرقان: ۷۸) یعنی یہ تو صحیح ہے کہ اعمالِ صالحہ بجالانا بھی ضروری ہے اور بد اعمال سے بچنا بھی انسان کے فائدہ کی چیز ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ تمہاری اور تمہاری نیکیوں کی تمہارے خدا کو کیا پروا ہے۔ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ۔ ہاں اگر تم اس کی پروا کرتے ہو تو اپنی دعاؤں سے اس کے فضل کو جذب کرو۔ جب تم اپنی دعاؤں کے ساتھ اس کے فضل کو جذب کرلو گے تب تمہارے یہ اعمال تمہیں فائدہ پہنچا سکیں گے۔ پھر دعا بھی بے معنی ہے جب دعا کے ساتھ قبولیّتِ دُعا حاصل نہ کی جائے۔ دعا کی قبولیت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہی چاہیئے اور اس کے لیے بھی دعا کرنی پڑتی ہے۔ پس ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ اے خدا! ہم کچھ کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہم اعمالِ صالحہ کی قبولیّت کے لیے جو دعائیں کرتے ہیں وہ بھی تجھ تک تبھی پہنچ سکتی ہیں کہ جب تو ہماری دعاؤں کو قبول کرنے کا فیصلہ کرلے۔ تو قبولیّت دعا کے لیے پھر آگے دُعا کی جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ خدا کو تمہاری کوئی پروا نہیں۔ تمہارے اعمال کی کوئی پروا نہیں، تمہاری قربانیوں کی کوئی پروا نہیں، جو تم صدقہ و خیرات اُس

کی راہ میں دیتے ہو اُس کو ان کی کیا پرواہ ہے۔ اُس کے خزانے کیا خالی ہیں کہ تمہارے مال کی اس کو پرواہ ہو ؟ تم اس کے احکام بجا لاتے ہو، انتہائی طور پر مجاہدہ کرتے ہو، کوشش کرتے ہو اس کی راہ میں، پھر بھی اسے تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ تمہیں اِن تمام چیزوں کا فائدہ اسی وقت پہنچ سکتا ہے جب تم دعا کے ذریعہ اس کے فضل کو جذب کرو۔ جب رحیمیت کے جلوہ کے ساتھ رحمانیّت کا جلوہ بھی شامل ہو جائے تب تمہاری حقیر کوششیں بھی تمہیں ساتویں آسمان تک پہنچا سکتی ہیں۔ لیکن اگر تم یہ سمجھو کہ اُس کے فضل کے بغیر تم پہلے آسمان پر بھی پہنچ سکتے ہو تو تم غلطی خوردہ ہو، اُس کے فضل کے بغیر تحتُ الثّریٰ تک تو تم پہنچ سکتے ہو، شیطان کی گود میں تو تم جا سکتے ہو، لیکن رحمان خدا کی گود میں اس کے فضل اور رحم کے بغیر کوئی نہیں جا سکتا۔ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ تم اس حقیقت کو جھٹلاتے ہو۔ تم میں سے بعض بظاہر بڑے متّقی اور پرہیزگار ہیں لیکن وہ اپنے اعمال پر، اپنی دعاؤں پر اور اپنی شب بیداری پر اور دنیا کے لوگوں کی خدمت جو وہ کرتے ہیں اس پر فخر کرنے والے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو اُن کی کوئی پرواہ نہیں ہے جب تک کہ وہ دعا کو اُس کی تمام شرائط کے ساتھ نہ کریں اور اللہ تعالیٰ اُن کی دعا کو قبول کر کے رحمانیّت کے جوش میں ان کے اعمال کو قبول نہ کر لے۔

فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا۔ تمہارے جُھٹلانے کے بدنتائج تمہارے ساتھ لگے رہیں گے۔ اب دیکھو اس وقت مسلمانوں کے بعض فرقوں میں انتہائی مجاہدہ کرنے والے لوگ بھی ہیں لیکن ان کے مجاہدات کا کیا نتیجہ اُن کے حق میں نکل رہا ہے۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں وہ نتیجہ نہیں نکل رہا جو ایک متّقی کے ایسے ہی اعمال بلکہ اس سے ہزارویں حصّہ اعمال کا نتیجہ نکلا کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام "براہینِ احمدیہ" میں فرماتے ہیں :۔

" حقیقت میں انہیں دو چیزوں کا تصوّر دُعا کے لیے ضروری ہے۔ یعنے اوّل اس بات کا تصوّر کہ خدائے تعالیٰ ہر یک قسم کی رُبوبیت اور پرورش اور رحمت اور بدلہ دینے پر قادر ہے اور اس کی یہ صفاتِ کاملہ ہمیشہ اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں دوسرے اس بات کا تصوّر کہ انسان بغیر توفیق اور تائید الٰہی کے کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اور بلاشبہ یہ دونوں تصوّر ایسے ہیں کہ جب دعا کرنے کے وقت

دل میں جم جاتے ہیں تو یکایک انسان کی حالت کو ایسا تبدیل کر دیتے ہیں کہ ایک متکبّر ان سے متاثر ہو کر روتا ہوا زمین پر گر پڑتا ہے اور ایک گردن کش سخت دل کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ یہی کل ہے جس سے ایک غافل مُردہ میں جان پڑ جاتی ہے۔ انہیں دو باتوں کے تصوّر سے ہر یک دل دعا کرنے کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ غرض یہی وہ روحانی وسیلہ ہے جس سے انسان کی رُوح رُو بخدا ہوتی ہے اور اپنی کمزوری اور امدادِ ربّانی پر نظر پڑتی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے انسان ایک ایسے عالم بے خودی میں پہنچ جاتا ہے جہاں اپنی مکدّر ہستی کا نشان باقی نہیں رہتا اور صرف ایک ذاتِ عظمیٰ کا جلال چمکتا ہوا نظر آتا ہے اور وہی ذات رحمتِ کُل اور ہر یک ہستی کا ستون اور ہر یک درد کا چارہ اور ہر یک فیض کا مبدء دکھائی دیتی ہے۔ آخر اس سے ایک صورت فنا فی اللہ کی ظہور پذیر ہو جاتی ہے جس کے ظہور سے نہ انسان مخلوق کی طرف مائل رہتا ہے، نہ اپنے نفس کی طرف، نہ اپنے ارادہ کی طرف اور بالکل خدا کی محبت میں کھویا جاتا ہے اور اس ہستیٔ حقیقی کی شہود سے اپنی اور دُوسری مخلوق چیزوں کی ہستی کالعدم معلوم ہوتی ہے۔"

(براہین احمدیہ، حصّہ چہارم صفحہ ۴۸۰ تا ۴۸۲ حاشیہ نمبر۱۱)

اٹھارھویں غرض یہ بتائی گئی تھی کہ خانہ کعبہ کے قیام کے نتیجہ میں خدائے سمیع کی معرفت دنیا حاصل کرلے گی ایک ایسی اُمّت یہاں پیدا کی جائے گی جو دنیا کو خدائے سمیع سے متعارف کرائے گی اور دنیا اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے گی کہ تضرّع اور ابتہال سے دعاؤں میں مشغول رہنے والے ہی اللہ تعالیٰ کی صفتِ سمیع کے جلوے دیکھا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سُورۂ مومن میں فرماتا ہے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝ (آیت ۶۱) کہ تمہارا ربّ کہتا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا سُنوں گا۔ لیکن وہ لوگ جو تکبّر کرتے ہوئے

میری حقیقی عبادت سے منہ پھیر لیتے ہیں یعنے ایسی عبادت سے جسے میں قبول کیا کرتا ہوں اور جس کے متعلق میں دوسری جگہ قرآن کریم میں کہہ چکا ہوں کہ تمہاری عبادتوں کے ساتھ تمہاری دعاؤں کا ہونا ضروری ہے اور جو لوگ تکبّر سے اپنی عبادت کو عبودیّت کے اس مقام پر نہیں لائیں گے میں اُنہیں جہنّم کی سزا دُوں گا اور وہ ناکامی اور میرے قہر اور غضب کی جہنّم میں داخل ہوں گے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ (سورۃ البقرۃ: آیت ۱۸۷) اے رسول! اگر میرے بندے میرے متعلّق تجھ سے سوال کریں کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا کیا ثبوت ہے؟ اور اس کی صفات کا علم ہم کیسے حاصل کریں، تو تُو ان کو جواب دے کہ خدا تو تمہارے قریب ہی ہے، تم اس کے در کو کھٹکھٹاؤ وہ تمہارے لیے کھولا جائے گا اور تم اس سے دعائیں کرو (اس کی بتائی ہوئی شرائط کے مطابق) تمہاری دعائیں قبول ہوں گی اور قبولیّت دُعا کے نتیجہ میں تم ذات باری اور صفات باری کا علم حاصل کرو گے اور اس معرفت اور عرفان کے بعد تمہارے دل اس کی محبّت میں گُم ہو جائیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو چاہیئے وَلْيُؤْمِنُوا بِي کہ مجھ پر ایمان لائیں، میری ذات پر اور میری صفات پر۔ تا وہ ہدایت پائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام اس کے متعلّق "برکات الدّعا" میں فرماتے ہیں:۔

"اور دُعا کی ماہیّت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے ربّ میں ایک تعلّق مُجاذبہ ہے یعنی پہلے خدائے تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اُس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دُعا کی حالت میں وہ تعلّق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔ سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدائے تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل اُمید اور کامل محبّت اور کامل وفاداری اور کامل ہمّت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہُوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے، پھر آگے کیا دیکھتا

ہے کہ بارگاہِ الوہیّت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ تب اُس کی رُوح
اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوّتِ جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ
خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تب اللہ جلّ شانہٗ اُس کام کے پُورا
کرنے کی طرف متوجّہ ہوتا ہے اور اُس دعا کا اثر اُن تمام مبادی اسباب پر ڈالتا
ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے
لیے ضروری ہیں۔"

("برکات الدعاء" صفحہ ۹)

اُنیّسواں مقصد یہ بیان ہُوا تھا کہ صفتِ سمیع کے ہی نہیں، بلکہ صفت علیم کے جلوے بھی دنیا اس اُمّت کے ذریعہ دیکھے گی۔ بعض دعاؤں کا ردّ ہو جانا یا بعض دعاؤں کا اس رنگ میں پورا نہ ہونا جس رنگ میں وہ مانگی گئی تھیں یہ ثابت نہیں کریگا کہ ہمارا خدا عزّوجلّ سمیع نہیں ہے یا تمام قدرتوں اور طاقتوں کا مالک نہیں ہے بلکہ یہ ثابت کرے گا کہ جہاں وہ قادر و توانا سمیع ہے وہاں وہ علیم بھی ہے اور قبولیّت دعا کا اس کی صفت علیم کے ساتھ بڑا گہرا تعلّق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

" اور یہ بھی یاد رہے کہ دعا کرنے میں صرف تضرّع کافی نہیں ہے بلکہ تقویٰ اور
طہارت اور راست گوئی اور کامل یقین اور کامل محبت اور کامل توجہ اور یہ کہ جو شخص اپنے لیے دعا کرتا ہے
یا جس کے لیے دعا کی گئی ہے اس کی دنیا اور آخرت کے لیے اس بات کا حاصل ہونا خلاف مصلحت
الٰہی بھی نہ ہو کیونکہ بسا اوقات دعا میں اور شرائط تو سب جمع ہو جاتے ہیں مگر جس
چیز کو مانگا گیا ہے وہ عنداللہ سائل کے لیے خلاف مصلحتِ الٰہی ہوتی ہے۔
اور اس کے پورا کرنے میں خیر نہیں ہوتی۔" ("برکات الدّعا" صفحہ ۱۰)

یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قبولیّت دعا کے لیے جن شرائط کا ذکر کیا ہے یعنی تقویٰ۔ طہارت۔ کامل یقین

کامل محبّت وغیرہ۔ یہ اُس قبولیت دعا سے متعلّق ہیں جو اصطفا کے رنگ میں ہو۔ لیکن جو قبولیتِ دعا ابتلا کے رنگ میں ہو اُس کا ان شرائط سے تعلّق نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ کنچنیوں کو بھی اللہ تعالیٰ سچّا خواب دکھاتا ہے تاکہ ان کی ہدایت کے سامان پیدا کرے تا وہ اُن کے دل میں یہ خیال پیدا کرے کہ وہ اس گند سے باہر نکلیں اور پاکیزگی کے منبع اور سرچشمہ کی طرف بھاگیں اور اپنے آپ کو پاک کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر دعا کرنے والے کا دل تقویٰ کے نُور سے مُنوّر نہ ہو یا اس کا سینہ پاکیزگی کی خوشبو سے خالی ہو یا اس کی زبان راستگوئی کا طریق اختیار کرنے والی نہ ہو اور اس کا دل کامل یقین اور کامل محبّت سے پُر نہ ہو۔ اُس کا ذہن کامل توجہ سے اپنے ربّ کی طرف جھکنے والا نہ ہو یا جو چیز مانگی گئی ہے وہ علّام الغیوب کے نزدیک اُس شخص کے لیے جس کے لیے وہ مانگی گئی خیر کا موجب نہ ہو تو تمام حالتوں میں دعا کو ردّ کر دیا جاتا ہے۔ مگر آخری صورت میں اللہ تعالیٰ کسی اور رنگ میں ایسی دعا کا انسان کو بدلہ دے دیتا ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

> "کیا یہ تسلّی بخش ثبوت نہیں ہے کہ قدیم سے خدا تعالیٰ کا ایک روحانی قانونِ قدرت ہے کہ دعا پر حضرتِ احدیّت کی توجّہ جوش مارتی ہے اور سکینت اور اطمینان اور حقیقی خوشحالی ملتی ہے۔ اگر ہم ایک مقصد کی طلب میں غلطی پر نہ ہوں، تو وہی مقصد مل جاتا ہے اور اگر ہم اُس خطا کار بچّہ کی طرح جو اپنی ماں سے سانپ یا آگ کا ٹکڑا مانگتا ہے اپنی دُعا اور سوال میں غلطی پر ہوں تو خدا تعالیٰ وہ چیز جو ہمارے لیے بہتر ہو عطا کرتا ہے اور بایں ہمہ دونوں صورتوں میں ہمارے ایمان کو بھی ترقی دیتا ہے کیونکہ ہم دعا کے ذریعہ سے پیش از وقت خدا تعالیٰ سے علم پاتے ہیں اور ایسا یقین بڑھتا ہے کہ گویا ہم اپنے خدا کو دیکھ لیتے ہیں اور دعا اور استجابت میں ایک رشتہ ہے کہ ابتدا سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا برابر چلا آتا ہے جب خدا تعالیٰ کا ارادہ کسی بات کے کرنے کے لیے توجہ فرماتا ہے تو سُنّت اللہ

یہ ہے کہ اس کا کوئی مخلص بندہ اضطرار اور کرب اور قلق کے ساتھ دعا کرنے
میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنی تمام ہمّت اور تمام توجّہ اس امر کے ہو جانے کے
لئے مصروف کرتا ہے۔ تب اُس مردِ فانی کی دُعائیں فیوضِ الٰہی کو آسمان سے
کھینچتی ہیں اور خدا تعالیٰ ایسے نئے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن سے کام
بن جائے۔" (ایّام الصّلح۔ صفحہ ۱۰)

تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں دعا کے متعلّق تین بنیادی باتیں ہمیں بتاتا ہے:۔

ایکؔ یہ کہ جب تک ہم دُعا کے ذریعہ سے، مقبول دُعا کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب نہ کریں اس وقت تک اپنے اعمال پر ہم خوش نہیں ہو سکتے۔ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو قبول کرے گا بھی یا کہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف اور پُر شوکت الفاظ میں ہمیں بتا دیا ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ تمہاری کیا پروا ہے، تمہاری نیکیوں کی کیا پروا ہے، تمہارے اعمال کی کیا پروا ہے میرے ربّ کو، اگر دعا کے ساتھ تم اس کی طرف جھکو نہ۔
لیکن ہمیں تو اس کی پروا ہے۔ اور اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہم پر اپنی محبّت کے جلوے ظاہر کرتا رہے تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم دعاؤں کے ذریعہ سے، ان دعاؤں کے ذریعہ سے جن میں تمام شرائط دعا پائی جاتی ہوں، اس کے فضل کو جذب کرنے والے ہوں۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہمارے اعمال کی اتنی بھی قیمت نہیں جتنی کیڑی کے ایک پاؤں کی قیمت دنیا کی نگاہ میں ہے۔

دوسرے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اسلام نے ایسی تعلیم ہمیں عطا کی ہے کہ اگر ہم اس تعلیم کو پیشِ نظر رکھیں اور اسلام کی ہدایات پر عمل کریں تو ہم اُمّید رکھ سکتے ہیں کہ ہمارا خدا جو سمیع ہے ہماری دعاؤں کو سُنے گا اور قبول فرمائیگا اور ہمارے لیے اپنی رحمت کے سامان پیدا کرے گا۔

اور تیسری بات ہمیں یہ بتائی کہ خدا تعالیٰ بیشک اَلسَّمِیْعُ ہے لیکن وہ عَلِیْم بھی ہے۔ ایک انسان دنیا کو دھوکا دے سکتا ہے وہ ظاہر میں بزرگی کا جُبّہ پہن سکتا ہے۔ وہ ہزار تکلّف کے ساتھ اپنی بزرگی کا اعلان کر سکتا ہے لیکن اپنے ربّ کو وہ دھوکا نہیں دے سکتا۔ پس وہی شخص خدا کے نزدیک مقبول ہے اور اسی کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں جس کے دل میں کسی قسم کا فساد اور گند اور ناپاکی نہ ہو

کبر، تکبّر، نخوت، خود پسندی، خود رائی، اپنے آپ کو کچھ سمجھنا اور دنیا کو حقیر سمجھنا، یہ باتیں نہ ہوں، بلکہ خدا تعالیٰ کے حقیقی عشق سے جو گناہ سوز ہے اس کی تمام کمزوریاں اور گناہ خاک ہو گئے ہوں اور وہ ایک پاک دل کے ساتھ اور ایک مُطہّر سینہ کے ساتھ اور آنسو بہانے والی آنکھ کے ساتھ اپنے ربّ کے حضور جھکنے والا ہو۔ تب اُس کی دُعا کو قبول کیا جاتا ہے۔

لیکن ہمارا خدا (نعوذ باللہ) جاہل نہیں ہے۔ کوئی چیز اُس سے چُھپی ہوئی نہیں ہے۔ وہ جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے سینوں کی باتوں کو جانتا ہے۔ وہ جیسا کہ قرآن کریم میں بڑی وضاحت سے بیان ہُوا ہے جانتا ہے کہ کون مُتّقی ہے اور کون نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ کون ہمارا دشمن ہے اور کون دوست۔ وہ جانتا ہے کہ کس چیز میں ہماری بھلائی ہے اور کس چیز میں ہمارا نقصان ہے پس ہماری دعاؤں کو علیم ہونے کی حیثیّت سے قبول کرتا ہے۔ وہ (نعوذ باللہ) بے وقوف ماں کی طرح نہیں ہے کہ اگر بچّہ آگ کا انگارہ اس سے مانگے تو بعض دفعہ چڑچڑے پن میں وہ آگ کا انگارہ اُس کے سامنے رکھ دیتی ہے اور بچّے کے ہاتھ کو جلا دیتی ہے۔ وہ ماں سے زیادہ محبّت کرنے والا ہے۔ وہ باپ سے بھی زیادہ پیار کرنے والا ہے۔ وہ جب دعاؤں کو قبول کرنے پر آتا ہے تو اُنہی دعاؤں کو اور اسی رنگ میں قبول کرتا ہے جو دعائیں جس رنگ میں ہمارے فائدہ کے لیے ہیں۔

لیکن جب دعا میں جو چیز مانگی گئی ہے وہ ہمارے فائدہ کے لیے نہ ہو تو وہ اُسے ردّ کر دیتا ہے اور اس کی بجائے محض اپنے فضل اور رحم سے کسی اور شکل اور کسی اور رنگ میں اپنی رحمت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ بڑا ہی پیار کرنے والا، وہ بڑی ہی محبّت کرنے والا ربّ ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کے شکر گزار بندے بن کر اپنی زندگیوں کے دن گزاریں اور جماعت کے اندر اتّحاد اور اتفاق کو ہمیشہ قائم رکھیں اور اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کریں کہ سب بزرگیاں اور ساری "ولایت" خلافتِ راشدہ کے پاؤں کے نیچے ہے۔ جو شخص اس سے باہر اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے اس کی دعائیں اگر قبول بھی ہوں تو وہ قبولیت اِصطفا کی نہیں وہ قبولیّت ابتلا اور امتحان کی ہے۔ پس اپنے ربّ سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔

(منقول از روزنامہ "الفضل" ربوہ مرخہ ۱۱ رجون ۱۹۶۷ء)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ذریعہ

اُمتِ مُسلمہ کا قیام

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۹ر جون ۱۹۶۷ء

بمقام مسجد مبارک، ربوہ

"یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ موعود ہادئ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تاثیروں اور قوت قدسیہ کے نتیجہ میں اقوام عالم کی سعید روحیں حقیقتاً امت مسلمہ بن جائیں گی اور عرب جو آپ کے پہلے مخاطب ہوں گے ان کے سب گند دھو دیئے جائیں گے اور پاک اور صاف ہو کر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سایہ تلے اپنے خالق حقیقی اور مالک حقیقی کے دربار میں آ جمع ہونگے اور پھر دنیا کے ہادی بنیں گے اور اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا میں قائم کریں گے۔

چنانچہ ابراہیمی دعاؤں اور ان پیشگوئیوں کے مطابق جو پہلی کتب میں پائی جاتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایک امت مسلمہ کو قائم کر دیا۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایّدہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی :-

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠

وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَ

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ

الْحَكِيمُ ○ (سورۃ البقرۃ : آیت ۱۲۹-۱۳۰)

پھر فرمایا :-

تعمیر کعبہ سے تعلّق رکھنے والے اُنّیس مقاصد کے متعلق میں پہلے بتا چکا ہوں۔ بیسویں غرض وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ میں بیان ہوئی تھی اور وعدہ دیا گیا تھا کہ موعود ہادیٔ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روحانی تاثیروں اور قوتِ قدسیہ کے نتیجہ میں اقوامِ عالم کی سعید رُوحیں حقیقۃً اُمّتِ مُسلمہ بن جائیں گی اور عرب جو آپ صلعم کے پہلے مخاطب ہوں گے ان کے سب گند دھو دئے جائیں گے۔ اور پاک اور صاف ہو کر وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شفاعت کے سایہ تلے اپنے خالقِ حقیقی اور مالکِ حقیقی کے دربار میں آ جمع ہوں گے اور پھر دنیا کے ہادی بنیں گے اور اسوۂ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ساری دنیا میں قائم کریں گے۔

ابراہیمی دعاؤں اور اُن پیشگوئیوں کے مطابق جو پہلی کتب میں پائی جاتی تھیں اللہ تعالےٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم

کے ذریعہ ایک اُمّتِ مُسلمہ کو قائم کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۂ حج میں فرماتا ہے:۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ
فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۙ
مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا
شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا
بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ○

(سورۃ الحج : آیت ۷۹)

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اپنی تمام قوّت اور اپنی تمام طاقت اور اپنی تمام استعداد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو اور اس کوشش اور جہاد کو اپنے کمال تک پہنچاؤ (حَقَّ جِهَادِهِ) اُس کے حق کو پُورا کرو، کیونکہ اس نے تمہیں مجتبیٰ بنایا ہے اور تمہیں بزرگی بخشی ہے اور کامل دین تمہیں دیا ہے۔ بہترین احکام تمہارے لیے نازل کیے ہیں اور ان احکام کی پیروی کرنے کے لیے جن قوتوں اور طاقتوں کی ضرورت تھی وہ بھی ساتھ ہی تمہیں عطا کی گئی ہیں۔ اس لیے ان احکام کی پیروی کرنے سے تم پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملّت! اللہ نے تمہیں اَلْمُسْلِمِیْن کا نام دیا ہے۔ امّتِ مُسلمہ قرار دیا ہے۔ تمہارے متعلّق یہ نام پہلی کتب میں بھی استعمال ہوا تھا اور قرآن کریم بھی تمہیں اُمَّةً مُّسْلِمَةً۔ اَلْمُسْلِمِیْن کے نام سے یاد کرتا ہے۔ اور یہ نام ان دعاؤں کے نتیجہ میں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کی تھیں کہ ایک اُمّت مُسلمہ دنیا میں قائم کی جائے (اُس افضل الرسل کی بعثت کے ساتھ) اور ان کی اولاد بھی امّتِ مُسلمہ میں شامل ہو۔ پس خانہ کعبہ کے مقاصد کے ساتھ تعلّق رکھنے والی جو آیات ہیں ان میں وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً تک کی جو دعا تھی۔ قرآن کریم سُورۂ حج کی اس آیت میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ دُعا قبول ہو گئی اور جو پیشگوئیاں پہلی کتب میں دی گئی تھیں ان کے پُورا ہونے کا وقت آگیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مبعوث ہو چکے ہیں اور اُمّت مُسلمہ قائم ہو گئی ہے اور اس لیے قائم ہوئی ہے کہ انسان کے اندر جو روحانی اور اخلاقی قوتیں اور استعدادیں اور طاقتیں ودیعت کی گئی تھیں اُن کے اظہار کا وقت آگیا ہے۔ اب دنیا

یہ دیکھے گی کہ انسان اپنے ربّ کی راہ میں اپنی طاقتوں کو کس طرح خرچ کرتا ہے۔ اور اپنی استعدادوں کو وہ اپنے کمال تک کس طرح پہنچاتا ہے۔

اسلام کے معنے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے، اپنے ربّ کے سامنے اپنی گردن کو قربان کرنے کے لیے رکھ دینا۔ اپنے تمام ارادوں کو چھوڑ کر، اپنی تمام خواہشوں کو چھوڑ کر خدا کی رضا پر راضی رہنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا یعنی اپنا کچھ بھی باقی نہ رہے سب کچھ خدا کو دیدیا جائے اور پھر خدا سے ایک نئی زندگی حاصل کر کے ایک خیرِ اُمّت کی شکل میں اس دنیا میں زندگی کے دن گزارے جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مضمون کے متعلق فرماتے ہیں:-

"اور اصطلاحی معنی اسلام کے وہ ہیں جو اس آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کہ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ[1] یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے، یعنی اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے ارادوں کی پیروی کے لیے اور اس کی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیوے اور پھر نیک کاموں پر خدا تعالیٰ کے لیے قائم ہو جائے اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتیں اس کی راہ میں لگا دیوے۔ مطلب یہ ہے کہ اعتقادی اور عملی طور پر محض خدا تعالیٰ کا ہو جاوے۔ اعتقادی طور پر اس طرح سے کہ اپنے تمام وجود کو درحقیقت ایک ایسی چیز سمجھ لے جو خدا تعالیٰ کی شناخت اور اس کی طاعت اور اس کے عشق اور محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے بنائی گئی ہے اور عملی طور پر اس طرح سے کہ خالصاً لِلّٰہ حقیقی نیکیاں، جو ہر ایک قوّت سے متعلّق اور ہر یک خدا داد توفیق سے وابستہ ہیں بجا لاوے مگر ایسے ذوق و شوق

[1] سورۃ البقرۃ: آیت ۱۱۳

اور حضور سے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں اپنے معبودِ حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۸)

اکیسواں مقصد اَرِنَا مَنَاسِکَنَا میں بیان ہوا تھا اور بتایا گیا تھا کہ اُس نبی موعود پر ایک ایسی شریعت نازل ہو گی جو انسانی فطرت کے سب سچے اور حقیقی تقاضوں کو پورا کرنے والی ہو گی۔ ہر استعداد اس سے فیضیاب ہو گی اور ہر فطرتِ صحیحہ اپنے ظرف کے مطابق اس سے حصّہ لے گی۔ ہر زمانہ کے مناسبِ حال، ہر قوم کے مناسب حال، ہر فرد کی استعداد کے مناسب حال اس میں تعلیم موجود ہو گی اور موجود رہے گی۔

اَلْمَنَاسِكُ، اَلْمَنْسَكُ اور اَلْمَنْسِكُ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں زُہد و عبادت، وہ کام جو حصولِ قربِ الٰہی کے لیے کیے جاتے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا اَرِنَا الْمَنَاسِكَ عبادت کے کامل طریق ہمیں بتا بلکہ یہ فرمایا ہے اَرِنَا مَنَاسِكَنَا ہمارے مناسب حال جو کامل طریق عبادت کے ہیں وہ ہمیں سکھا۔ اور یاد رہے کہ صرف قرآنی شریعت ہی ایسی ہے جس میں یہ گنجائش موجود ہے۔ پہلی شرائع میں یہ گنجائش موجود نہیں تھی جب اُمّتِ مُسلمہ کا وجود قائم ہوگیا اور قرآن کریم کی شریعت اُن پر نازل ہو چکی، تب اَرِنَا مَنَاسِكَنَا کی دعائے ابراہیمی قبول ہوئی تو اَرِنَا مَنَاسِكَنَا میں یہ دعا کی گئی ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں موقعہ اور محل کے مطابق اَحسن عمل کے انتخاب کی ہمیں توفیق عطا کر۔ چنانچہ قرآن کریم نے بہت زور دیا ہے اس بات پر کہ قرآنی تعلیم کے مختلف پہلو ہوتے ہیں یعنی ہر حکم کے مختلف پہلو ہوتے ہیں، جو قرآن کریم نے دیا ہے، تو جو پہلو موقعہ اور محل اور تمہاری اپنی استعداد کے مطابق ہے اس پہلو سے اُس عمل کو اختیار کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ اپنی استعداد سے بڑھ کر عبادتوں میں مجاہدہ کا رنگ اختیار کرتے ہیں، بہت لمبا عرصہ روزے رکھتے ہیں یا نیند کو بہت کم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے جسم اس کی برداشت نہیں کر سکتے اور نتیجہ اس کا یہ نہیں نکلتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کر لیں، بلکہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ پاگل ہو جاتے ہیں یا اُن کو بعض اور عوارض لاحق ہو جاتے ہیں۔ کسی کو سل ہو جاتی ہے، دِق ہو جاتی ہے۔ بعض اور بیماریاں ہیں جو اُن کو لگ جاتی ہیں۔

دعا یہاں یہ سکھائی گئی ہے وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا ہر قوم ، ہر زمانہ کے لحاظ سے اور پھر ہر قوم اور ہر زمانہ کے ہر فرد کے لحاظ سے جو مناسب عبادتیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے جو مناسب طریق ہیں وہ ہمیں سکھا تا کہ ہم ہر قسم کی بیماری سے اور ضعف سے اور لغزش سے اور بددلی سے محفوظ ہو جائیں اور تیرے قرب کو حاصل کریں۔

اَحسن پر، یعنی جو بہتر پہلو ہے اس کے اختیار کرنے کی طرف ، بڑے زور سے ، اور بڑی کثرت سے ، قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے مثلاً فرمایا ہے جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (سورۃ النحل : آیت ۱۲۶) دُوسرے کے ساتھ تبادلہ خیالات کرتے ہوئے تم مختلف پہلوؤں کو اختیار کر سکتے ہو تو جو اَحسن پہلو ہے اُس کو اختیار کرو۔ ایک شخص ہے جو محبّت سے بات سُننے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تم اسے ڈراؤ نہیں۔ ایک موقعہ ایسا آتا ہے کہ مخالف سمجھتا ہے کہ اگر میں نے ان کو فساد پر آمادہ کر لیا تو ان کو نقصان ہو گا ہمیں فائدہ ہو گا۔ اُس وقت ایک احمدی کا فرض ہے کہ قرآن کریم کے اس حکم کے مطابق امن کی فضا کو قائم رکھنے کے لیے انتہائی کوشش کرے اور جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ میں جو احسن طریق اختیار کرنے کا حکم ہے اس پر عمل پیرا ہو، تا امن میں رخنہ نہ پیدا ہو۔ بہت سے احکام میں اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کئی طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں ایک حکم کی بجا آوری میں۔ تو جو اَحسن طریق ہے اس کو تم اختیار کرو۔ اصولاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ قرآن کریم کی کامل اور مکمل شریعت تم پر اُتاری گئی ہے اور تمہیں حکم یہ دیا جاتا ہے کہ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ (سورۃ الزُّمر : ۵۶) تمہارے ربّ نے جو تمہاری ربوبیت کرنا چاہتا ہے اپنی اس صفت کے تقاضا سے ایک ایسی شریعت نازل کی ہے جو مختلف پہلو رکھتی ہے اور ہر آدمی، ہر فرد، ہر قوم، ہر زمانہ کی رُبوبیّت کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف پہلوؤں سے اس پر عمل کیا جا سکے۔ تو ہر پہلو اس کے اندر آ گیا ہے اس شریعت کا نُزول ربّ کریم کی طرف سے ہے اس لیے قیامت تک محفوظ ہے۔ جو اَحسن طریق ہے اس کو تم اختیار کرو اور ہر حکم کو اس حسن طریق پر بجالاؤ ، جو تمہارے مطابق حال ہو ، جو زمانہ کے مناسب حال ہو۔ جس کے نتیجہ میں تمہارے قوٰے اور تمہاری استعدادیں صحیح نشوونما اور ربوبیت کو حاصل کر سکیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ کہ میرے اُن بندوں کو جو (اَلْقَوْل) اس بہترین شریعت کو سُنتے ہیں فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اس میں جو احکام اُنہیں سُنائے جاتے

ہیں ان میں سے وہ احسن کی پیروی کرتے ہیں اُن کو تم بشارت دو: اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کے سامان کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہی لوگ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝ (سورۃ الزّمر: ۱۸ و ۱۹) ہوں گے، عقلمند سمجھے جائیں گے۔ اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے انسان کو اُولُوا الۡاَلۡبَاب میں اس لیے شامل کیا ہے اور عقل اس لیے دی ہے کہ وہ اس کو اسلامی شریعت کے احکام کی بجاآوری میں استعمال کرے اور وہ اپنی عقل سے کام لے اور موقع کو پہچانے اور محل کی شناخت رکھے مثلاً اگر کسی سے تبادلۂ خیال کرے تو اس کی سائیکولوجی کو وہ پہچانے اور اپنی عقل سے وہ فیصلہ کرے کہ اس رنگ میں میں بات کروں گا تو میری بات کا میرے مخاطب پر اثر ہوگا۔

پس یہاں بڑی وضاحت سے اللہ کے ان بندوں کو بشارت دی گئی ہے جو قرآن کریم کی شریعت کو سنتے اور اُحسن پر عمل کرتے ہیں۔ بشارت ان لوگوں کو نہیں دی گئی جو قرآن کریم کو سُنتے تو ہیں، مگر اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے اور اُحسن کی بجائے کسی اور پہلو کو اختیار کرتے ہیں۔ پس ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ہدایت کی بشارت نہیں دیتا یعنی انجام بخیر ہونے کی بشارت نہیں دیتا۔ تو یہاں ایک معنی یہ ہوں گے کہ میرے وہ بندے جو اَلۡقَوۡل کو سُنتے اور ان میں سے اَحسن کی پیروی کرتے ہیں اُن کا انجام بخیر ہوگا جو ایسا نہیں کرتے اُن کا انجام بخیر نہیں ہوگا۔

بائیسواں مقصد تُبۡ عَلَیۡنَا میں بیان ہُوا تھا اور اس میں اشارۃً بیان کیا گیا تھا کہ جو آخری شریعت یہاں نازل ہوگی اس کا گہرا تعلق ربّ توّاب سے ہوگا اور اس کے پیرو، اس کے متّبعین اس بنیادی حقیقت کو پہچانیں گے کہ توبہ اور استغفار کے بغیر معرفت الٰہی اور رضاءِ الٰہی کا حصول ممکن نہیں، پس جہاں وہ بار بار اس کی راہ میں قربانیاں دیں گے وہاں وہ بار بار استغفار کے ساتھ اس سے قوت حاصل کریں گے اور توبہ کے ساتھ اس کی طرف رجوع بھی کرنے والے ہوں گے، اپنی کوشش اور مجاہدہ اور قربانیوں کو رخنہ سے خالی اور خطا سے مبرّا نہ سمجھیں گے۔

تَابَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ کے معنی ہیں قَبِلَ تَوۡبَتَہٗ مِنۡہُ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے بندہ کی جو توبہ کرنے والا ہے توبہ کو قبول کرلیا۔ یہاں یہ دعا ہے وَتُبۡ عَلَیۡنَا اور بتایا گیا ہے کہ اس حقیقت کو جو توبہ اور استغفار کے اندر پائی جاتی ہے صحیح طور پر اور حقیقی معنے میں وہ اُمّت سمجھنے والی ہوگی اور ان کو ایک ایسی شریعت دی جائے گی جو ان باتوں کو کھول کر بیان کرے گی۔

شرع میں اور اسلامی اصطلاح میں توبہ کے معنی میں چار باتیں پائی جاتی ہیں :۔

۱۔ گناہ کو ترک کر دینا۔ مثلاً جس شخص کو جھوٹ کی عادت ہو وہ ایک گناہ کر رہا ہے، تو جھوٹ کو چھوڑ دینے کا نام توبہ ہے۔ یہ اس کا ایک پہلو ہے۔

۲۔ یہ کہ گناہ پر ندامت کا احساس پیدا ہو جانا۔ ہر آدمی ہر وقت تو جھوٹ نہیں بولتا لیکن ایک شخص ایک لمبے عرصہ تک جھوٹ نہیں بولتا۔ مثلاً چھ مہینے اس نے کوئی جھوٹ نہیں بولا، تو ترک گناہ تو ہُوا (اس چھ ماہ میں) لیکن توبہ نہیں، کیونکہ ترک گناہ کے علاوہ توبہ میں گناہ پر ندامت کے احساس کا پیدا ہو جانا بھی ضروری ہے۔

۳۔ یہ کہ عزم یہ ہو کہ میں اس گناہ کی طرف لوٹوں گا نہیں، پورے عزم کے ساتھ گناہ کو چھوڑنے والا ہو ——— اور

۴۔ یہ کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کا تدارک بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کسی کے سو روپے مارے ہوئے ہیں تو توبہ کے صرف یہ معنے نہیں ہوں گے کہ آیندہ لوگوں کا مال مارنے سے توبہ کر لی۔ احساس ندامت کے ساتھ اور اس عزم کے ساتھ کہ میں کبھی بھی ایسے گناہ کی طرف نہیں لوٹوں گا۔ لیکن قوّت ہونے کے باوجود وہ سَو روپیہ ادا نہ کرے۔ حالانکہ وہ اتنا غریب نہیں کہ سو روپیہ ادا نہ کر سکے تو پھر بھی وہ توبہ نہیں ہے۔

ان ہر چہار باتوں کے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے سے قوّت حاصل کریں۔ کیونکہ گناہ کا چھوڑنا خدا تعالےٰ سے حاصل کردہ قوت کے بغیر ممکن نہیں۔ گناہ پر ندامت کے احساس کا پیدا ہونا اس کی توفیق کے بغیر ناممکن ہے۔ باقی رہا عزم! تو انسان کے اندر کیسے یہ ہمّت ہو سکتی ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بغیر، اللہ تعالیٰ سے طاقت حاصل کیے بغیر یہ عزم کر سکتا ہوں، پختہ ارادہ کر سکتا ہوں کہ آیندہ کوئی گناہ نہیں کرونگا۔ پس اس کے لیے بھی خدا تعالیٰ کی توفیق کی ضرورت ہے اور جس حد تک ممکن ہو تدارک کرنا، اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے قوت اور طاقت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

تو یہ طاقتیں اور قوتیں استغفار کے ذریعہ سے حاصل کی جاتی ہیں۔ خدا کا بندہ اپنے ربّ کو تمام طاقتوں اور قوتوں کا سرچشمہ سمجھتا ہے اور اپنے اندر کوئی اپنی طاقت اور قوت نہیں پاتا اور نہ دیکھتا ہے۔ اس لیے ہر کام کے کرنے سے پہلے وہ اپنے ربّ کی طرف رجوع کرتا اور استغفار کرتا ہے۔ اور اپنے ربّ سے کہتا ہے کہ اے خدا! جو تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہے اور تمام

قوّتوں کا منبع ہے، مجھے وہ قوّتیں اور طاقتیں اور استعدادیں عطا کر کہ میں بُرائیوں کو کُلّیۃً چھوڑ دُوں اور نیکیوں پر حقیقتاً قائم ہو جاؤں۔ تو اس معنے میں پہلے استغفار ہے اور بعد میں توبہ۔ توبہ استغفار کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس مضمون پر حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بڑی بسط سے روشنی ڈالی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں:۔

"اِستغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں، ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدّم ہے، کیونکہ استغفار مدد اور قوّت ہے جو خدا سے حاصل کی جاتی ہے اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے۔ عادت اللہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے گا تو خدا تعالیٰ ایک قوّت دیدے گا۔ اور پھر اس قوت کے بعد انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاویگا اور نیکیوں کو کرنے کے لیے اس میں ایک قوت پیدا ہو جاوے گی جس کا نام تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ ہے۔ اس لیے طبعی طور پر بھی یہی ترتیب ہے۔ غرض اس میں ایک طریق ہے جو سالکوں کے لیے رکھا ہے کہ سالک ہر حالت میں خدا سے استمداد چاہے۔ سالک جب تک اللہ تعالیٰ سے قوت نہ پائے گا کیا کر سکے گا۔ توبہ کی توفیق استغفار کے بعد ملتی ہے اگر استغفار نہ ہو تو یقیناً یاد رکھو کہ توبہ کی قوت مر جاتی ہے۔ پھر اگر اس طرح پر استغفار کرو گے اور پھر توبہ کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی[1] سنّت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر استغفار اور توبہ کرو گے تو اپنے مراتب پا لو گے۔ ہر ایک شخص کے لیے ایک دائرہ ہے جس میں وہ مدارج ترقی کو حاصل کرتا ہے۔"

(ملفوظات جلد ۲ صفحہ ۶۸۔ ۶۹ ۔ الحکم جلد ۶ نمبر ۲۶ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۲ء صفحہ ۱)

آپؑ نے فرمایا کہ اپنے اپنے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے جس حد تک تمہارے لیے ممکن ہے روحانی رفعتوں کو حاصل

[1] سورۃ ھود: آیت ۴۔

کرو اور استغفار اور توبہ کے ذریعہ سے ان کو حاصل کرلو۔

دوسری جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں :۔

" اِس تمام تفصیل سے ظاہر ہے کہ استغفار کی درخواست کے اصل معنے یہی ہیں کہ وہ اس لیے نہیں ہوتی کہ کوئی حق فوت ہوگیا ہے ، بلکہ اس خواہش سے ہوتی ہے کہ کوئی حقّ فوت نہ ہو، اور انسانی فطرت اپنے تئیں کمزور دیکھ کر طبعاً خدا سے طاقت طلب کرتی ہے ...... اور یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان اعلیٰ درجہ کے مقام عصمت پر اور مرتبہ شفاعت پر تب ہی پہنچ سکتا ہے کہ جب اپنی کمزوری کے روکنے کے لیے اور نیز دوسروں کو گناہ کی زہر سے نجات دینے کے لیے ہردم اور ہرآن دُعا مانگتا رہتا ہے اور تضرّعات سے خدا تعالےٰ کی طاقت اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس طاقت سے دوسروں کو بھی حصّہ ملے ، جو بوسیلۂ ایمان اس سے پیوند پیدا کرتے ہیں۔ معصوم اِنسان کو خدا سے طاقت طلب کرنے کی اس لیے ضرورت ہے کہ انسانی فطرت اپنی ذات میں تو کوئی کمال نہیں رکھتی بلکہ ہر دم خدا سے کمال پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی قوت نہیں رکھتی ، بلکہ ہر دم خدا سے قوت پاتی ہے اور اپنی ذات میں کوئی کامل روشنی نہیں رکھتی ، بلکہ خدا سے اس پر روشنی اُترتی ہے ۔ اس میں اصل راز یہ ہے کہ کامل فطرت کو صرف ایک کشش دی جاتی ہے تاکہ وہ طاقت بالا کو اپنی طرف کھینچ سکے ۔ مگر طاقت کا خزانہ محض خدا کی ذات ہے ۔ اسی خزانہ سے فرشتے بھی اپنے لیے طاقت کھینچتے ہیں اور ایسا ہی انسان کامل بھی اسی سرچشمۂ طاقت سے عُبودیّت کی نالی کے ذریعہ سے عصمت اور فضل کی طاقت کھینچتا ہے ..... پس استغفار کیا چیز ہے ، یہ اس آلہ کی مانند ہے

جس کی راہ سے طاقت اُترتی ہے ۔ تمام راز توحید اسی اُصول سے وابستہ ہے کہ صفتِ
عصمت کو انسان کی ایک مستقل جائداد قرار نہ دیا جائے بلکہ اس کے حصول کے لیے محض
خدا کو سرچشمہ سمجھا جائے۔" (ریویو آف ریلیجنز اردو ، جلد ا صفحہ ۱۸۹ تا ۱۹۰)

جب اللہ تعالیٰ کی حفاظت حاصل ہو جاتی ہے ۔جب اللہ تعالیٰ سے انسان طاقت حاصل کر لیتا ہے ، تب وہ توبہ کی توفیق پاتا ہے اور تب اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی توبہ قبول ہوتی ہے ۔حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ و السلام اسی لیے فرماتے ہیں :

"پس اُٹھو اور توبہ کرو اور اپنے مالک کو نیک کاموں سے راضی کرو اور یاد رکھو کہ اعتقادی غلطیوں کی سزا تو مرنے کے بعد ہے اور ہندو یا عیسائی یا مسلمان ہونے کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا ، لیکن جو شخص ظلم اور تعدّی اور فسق و فجور میں حد سے بڑھتا ہے اُس کو اسی جگہ سزا دی جاتی ہے ۔تب وہ خدا کی سزا سے کسی طرح بھاگ نہیں سکتا ، سو اپنے خدا کو جلدی راضی کر لو اور قبل اس کے کہ وہ دن آوے ..... تم خدا سے صلح کرو ۔ وہ نہایت درجہ کریم ہے ۔ ایک دم کے گداز کرنے والی توبہ سے ستّر برس کے گناہ بخش سکتا ہے اور یہ مت کہو کہ توبہ منظور نہیں ہوتی ۔ یاد رکھو کہ تم اپنے اعمال سے کبھی بچ نہیں سکتے ہمیشہ فضل بچاتا ہے نہ اعمال ۔اے خدائے کریم و رحیم ! ہم سب پر فضل کر کہ ہم تیرے بندے اور تیرے آستانہ پر گرے ہیں ۔آمین"۔ ("لیکچر لاہور" صفحہ ۲۸)

آج مجھے گرمی کی وجہ سے تکلیف رہی ہے اور یہاں مسجد میں بھی بڑی گرمی ہے ۔ دوستوں کو بھی لمبے خطبہ سے تکلیف ہوگی اس لیے آج میں صرف اسی پر بس کرتا ہوں اور باقی مضمون اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے آئندہ خطبہ میں بیان کروں گا ۔

(منقول از روزنامہ الفضل ۔ ربوہ ۔ مورخہ ۱۸ جون ۱۹۶۷ء)

تعمیر بیت اللہ کے تمام مقاصد

رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم

کی

بعثت کے ذریعہ پورے ہوئے

خطبہ جمعہ، فرمودہ ۱۶؍جون ۱۹۶۷ء
بمقام مسجد مبارک، ربوہ

"خدا یہ چاہتا ہے کہ قوم کے بزرگ بھی اور قوم کے نوجوان بھی قوم کے مرد بھی اور قوم کی عورتیں بھی اس حکمت الٰہی کو سمجھنے لگیں جس حکمت الٰہی کا تعلق خانہ کعبہ کی بنیاد سے ہے۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اولوالالباب ٹھہریں اور اس کی آواز کو اور اس کے احکام کو اور احکام کی حکمتوں کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں اور ان قدوسیوں کے گروہ میں شامل ہو جائیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ کے ہر آن فضل ہوتے رہتے ہیں۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ الکریم

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

کل قریباً سارا دن شدید دردِ سر کا دَورہ رہا اور اس وقت مَیں کافی ضُعف محسوس کر رہا ہوں، لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ جن تیئیس[۲۳] مقاصد کے متعلّق (جن کا تعلّق بیت اللہ سے ہے) مَیں نے سلسلۂ خطبات شروع کیا ہے اس کو جاری رکھوں اور جو آخری غرض اور مقصد بیان ہونا رہ گیا تھا اس کے متعلّق آج کے خطبہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں۔

تعمیر بیت اللہ کی تیئیسویں[۲۳] **غرض** رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (البقرۃ: ۱۳۰) میں بیان ہوئی تھی اور اس آیت میں بتایا گیا تھا کہ ایک ایسا نبی یہاں مبعوث کیا جائے گا جو قیامت تک زندہ رہے گا اور اپنے فیوض کے ذریعہ اور افاضۂ روحانی کی وجہ سے اس پر کبھی موت وارد نہ ہوگی، ہمیشہ کی زندگی اس کو عطا کی جائے گی اور اُسے ایک ایسی شریعت دی جائے گی جو ہمیشہ رہنے والی ہوگی، منسوخ نہیں ہوگی کیونکہ وہ اَلْکِتَاب (ایک کامل اور مکمّل شریعت) ہوگی اور ایک ایسی امّت پیدا کی جائے گی جو بصیرت پر قائم ہوگی، حکمت اُسے سمجھائی جائے گی اور دلائل اُسے عطا کیے جائیں گے اور زندہ خدا اور زندہ نبی اور زندہ شریعت سے اس کا تعلّق ہوگا۔

یہ مقصد بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے پُورا ہُوا ہے جیسا کہ خود قرآن کریم نے اس کا دعویٰ کیا ہے، جس پر مَیں ابھی روشنی ڈالوں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں:-

”دیکھو ابراہیم علیہ السّلام نے بھی ایک دُعا کی تھی کہ اس کی اولاد میں سے عرب میں

ایک نبی ہو۔ پھر کیا وہ اُسی وقت قبول ہوگئی ابراہیم (علیہ السّلام) کے بعد ایک عرصہ دراز تک کسی کو خیال بھی نہیں آیا کہ اس دعا کا کیا اثر ہُوا، لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت کی صورت میں وہ دعا پُوری ہُوئی اور پھر کس شان کے ساتھ پُوری ہُوئی "

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۔ ۴۲۔ الحکم جلد ۷ نمبر ۸ ۔ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء صٓ۲)

اس آیۂ کریمہ میں پانچ باتوں کا ذکر ہے :۔

اوّل ۔ عبدِ کامل کے ظہور کا۔

دوسرے ۔ آیات بیّنات کے لامتناہی سلسلہ کا۔

تیسرے ۔ کامل شریعت کے نزول اور قیامت تک اس کے قائم رہنے کا۔

چوتھے ۔ احکام شریعت کی حکمت بیان کرنے کا ———— اور

پانچویں ۔ یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں قدّوسیوں کی ایک جماعت قیامت تک پیدا ہوتی رہے گی۔

قرآن کریم کے متعدد مقامات پر یہ دعوےٰ کیا گیا ہے کہ ان ابراہیمی دعاؤں کے نتیجہ میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت ہوئی ہے۔ اس وقت میں سورۂ نمل کی چند آیات اپنے دوستوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ ۖ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهٖ ۖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ (آیت ۹۲ تا ۹۴)

جب ہم اس بات کا جو پہلی آیت میں بیان ہوئی ہے (یعنی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ) تجزیہ کرتے ہیں اور سیاق و سباق کو سامنے رکھ کر اور ضمیر کو ظاہر کر کے دیکھتے ہیں تو اس کے یہ معنی ہماری سمجھ میں آتے ہیں کہ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السّلام کی دعا

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ کا یہ مفہوم ہے کہ اے ابراہیم اور اسمٰعیل کے ربّ جن کے ذریعہ سے تُو نے از سرِ نو تعمیر کعبہ کروائی ہے اور اپنے معزّز گھر کی حُرمت کا اعلان کیا ہے تُو اِس بیت حرام میں رہنے والوں میں سے ایک عظیم روح کو کھڑا کر۔ اس کو اپنی ربوبیّت میں لے۔ اُسے مصطفیٰ اور مجتبیٰ بنا اور اپنے انتہائی قُرب سے اس کو نواز اور ایک کامل اور مکمل شریعت دیکر اپنے رسول اور کامل مقتدا کی حیثیت میں اُسے دنیا کی طرف بھیج۔ تا وہ بنی نوع انسان کو اللہ ربّ العالمین کی طرف بلائے اور توحید خالص پر انہیں قائم کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا۔ اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مُنہ سے دنیا میں یہ منادی کروائی کہ

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِي حَرَّمَهَا۔

ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السّلام کی دعا قبول ہوئی اور مجھے ربّ العالمین نے حکم دیا ہے کہ میں اس بلدِ حرام، اس بیت اللہ کے ربّ کی عبادت کو اپنے کمال تک پہنچا کر ایک عبد کامل کی شکل میں ظاہر ہوکر بنی نوع انسان کو اللہ، ربّ کعبہ، ربّ بلد حرام کی طرف بلاؤں۔ اس ہستی کی طرف (وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ) جو کامل قدرتوں والی ہے۔ اور تمام اسمائے حسنیٰ سے متّصف ہے۔ جو چاہتی ہے وہ ہستی کرتی ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کے مقابل نہیں ٹھہر سکتی۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اَلْمُسْلِمُوْن کے گروہ میں شامل ہوکر ایک مسلم کا کامل نمونہ دنیا کے سامنے پیش کروں۔ غرض وہاں ابراہیمؑ اور ان کی نسل کے مُنہ سے یہ دعا نکلوائی اور قرآن کریم نے اسے محفوظ کیا اور یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے مُنہ سے دنیا میں یہ منادی کروائی کہ اس بلدِ حرام کے ربّ کی عبادت کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور ابراہیمی دعاؤں کے نتیجہ میں مَیں آج دنیا کی ہدایت کے لیے کھڑا ہوں۔

دوسری اور تیسری اور چوتھی بات جو یہاں بیان ہوئی تھی، وہ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ میں بیان ہوئی تھی یعنی ایک عبد کامل ظاہر ہوگا اور عبد کامل کے ظہور کے ساتھ دنیا آیات بیّنات کا ایک لامتناہی سلسلہ مشاہدہ کرنے لگے گی۔ وہ اَلْكِتٰب کی تعلیم دے گا اور جو احکام وہ اس کامل اور مکمّل کتاب سے بیان کرے گا اُن کی حکمت بھی ساتھ ہی ساتھ انہیں بتائے گا۔ دیکھو وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ آیات کا بیان کرنا۔ کتاب کا سکھانا اور حکمت اور وجوہ کے متعلق تفصیلی روشنی ڈالنا۔ یہ تینوں چیزیں جو اس دعا میں شامل تھیں وہ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ میں پائی جاتی ہیں کیونکہ قرآن کریم کے محاورہ میں تلاوت کا لفظ آیات کے بیان کرنے اور ان کے سیکھنے سکھانے اور ان سے اثر قبول کرنے

اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کے متعلق بھی بولا جاتا ہے اور کتاب اور اس کی حکمت کو پڑھنے، سُنانے اور اس پر عمل کرنے اور کروانے کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ مفرداتِ راغب میں تِلَاوَۃٌ کے لغوی معنے یہ کیے گئے ہیں کہ

اَلتِّلَاوَۃُ تَخْتَصُّ بِاتِّبَاعِ کُتُبِ اللّٰہِ الْمُنَزَّلَۃِ تَارَۃً بِالْقِرَاءَۃِ

وَتَارَۃً بِالْاِرْتِسَامِ بِمَا فِیْھَا مِنْ اَمْرٍ وَّنَھْیٍ وَّتَرْغِیْبٍ وَّتَرْھِیْبٍ۔

کہ تلاوت خاص طور پر مخصوص ہے اس معنی کے ادا کرنے میں کہ ان کُتب کی اِتّباع کی جائے جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں اور یہ اتباع دو طریق سے ہوتی ہے، قراءت کے ساتھ اور احکام پر عمل پیرا ہو کر (حکم کو تسلیم کرتے ہوئے اُس کے اندر جو اوامر و نواہی ہیں اُن پر عمل پیرا ہونا بھی تلاوت کے اندر شامل ہے) اور ترغیب و ترہیب کے ذریعہ سے وہ کتاب جو اثر ڈالنا چاہتی ہے اس اثر کو قبول کرے یعنی جو حکمتیں بیان کی گئی ہوں اُن حکمتوں سے متاثر ہونا۔ یہ معنی بھی تلاوت کے اندر پائے جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا (آیت ۳)

یعنی کہ مومن وہ ہیں کہ جب آیاتِ آسمانی اُن پر تلاوت کی جاتی ہیں تو اُن کی زیادتیٔ ایمان کا باعث بنتی ہیں۔ میں یہاں یہ بتا رہا ہوں کہ آیات کے متعلق بھی تلاوت کا لفظ قرآن کے محاورہ میں استعمال ہُوا ہے اسی طرح کتاب کے پڑھنے اور جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے اس پر عمل کرنے اور دنیا کے لیے اپنا اُسوہ پیش کرنے کے متعلق بھی تلاوت کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ (عنکبوت ع۵) کہ اپنے ربّ کی کتاب میں سے جو وحی تیرے پر نازل ہو رہی ہے (وحی کا سلسلہ اس وقت جاری تھا) اس کی تلاوت کر یعنی اس پر عمل پیرا ہو اور اسے پڑھ (آدمی جو کچھ پڑھتا ہے وہ دوسروں کو سُنانے کے لیے بھی پڑھتا ہے اور اپنے لیے بھی اور چونکہ پہلے مخاطب اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی لیے اس کے معنے یہ ہوں گے کہ عمل پیرا ہو کر ان لوگوں کے لیے قابلِ تقلید نمونہ بن جا) انبیاء علیہم السلام کے متعلق قرآن کریم نے ہمیشہ یہ فرمایا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ اور ندا یہی ہوتی ہے کہ مَیں اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ہوں یعنی سب سے پہلے میں ہی ان احکام اور نواہی پر عمل کرنے والا ہوں، مَیں اپنی گردن خدا کے حکم کے نیچے رکھتا ہوں اور اس رنگ

ہیں تمہارے لیے بطور قائد کے ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ یہ راستہ اللہ تک پہنچاتا ہے تم اس پر چلو۔ ہیں یہ کہتا ہوں کہ یہ راستہ خدا کی طرف پہنچانے والا ہے، ہیں اس پر چل رہا ہوں۔ میرے پیچھے پیچھے آؤ تا کہ تم بھی خدا تک پہنچ جاؤ پس لغوی معنی کے لحاظ سے علم و عمل سے اس کی اتّباع کرنا مفرداتِ راغب کے نزدیک تلاوت کے معنی میں شامل ہے، علم سے اتّباع کرنا حکمت کی باتیں بتا کر، اور عمل سے اتّباع کرنا ان باتوں کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال کر۔ غرض اللہ تعالیٰ نے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے منہ سے یہ کہلوایا کہ وَاَنْ اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ مجھے اللہ تعالےٰ کا یہ حکم ہے کہ مَیں یہ قرآن تمہیں پڑھ کے سناؤں۔ قرآن کا لفظ خود قرآن کریم نے آیات کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ فرمایا بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ (عنکبوت) کہ یہ آیات بیّنات ہیں اور اس لیے اَنْ اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ کے معنی یہ ہوں گے کہ مَیں آیات بیّنات تمہارے سامنے پڑھ کے سناؤں۔ اسی طرح قرآن کریم کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ ایک کامل شریعت ہے۔ اس لیے اَنْ اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ تمہارے سامنے کامل شریعت کتاب کی شکل میں بھی اور اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کی شکل میں بھی رکھوں۔ کیونکہ جب آپؐ کے اخلاق کے متعلّق سوال کیا گیا تو حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا تم قرآن کو پڑھ لو (کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ)

پس دعا یہ تھی کہ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ۔ وہ نبی آیات بیّنات دنیا کے سامنے پیش کرتا چلا جائے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ وہ دعا قبول ہوئی اور خدا کے حکم سے مَیں اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ قرآن کریم کی آیات و بیّنات دنیا کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

پھر دعا یہ تھی کہ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ مَیں کامل شریعت اس دعا کی قبولیّت کی وجہ سے دنیا کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

پھر دعا یہ تھی کہ وہ حکمت کی باتیں سکھائے اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اَتْلُوَ الْقُرْاٰنَ۔ مَیں یہ قرآن جو حکمت سے پُر اور بھرا ہوا ہے اور حِکْمَةٌۢ بَالِغَةٌ ہے اسے دنیا کے سامنے رکھ رہا ہوں تو ان تینوں دعاؤں کی قبولیت کے نتیجہ میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مُنہ سے ایک دو لفظی فقرہ کہلوایا اور تینوں باتوں کی طرف اشارہ کر دیا اور ان معنے کی لُغت بھی تصدیق کرتی ہے۔

چوتھی چیز یہ تھی کہ یُزَکِّیْھِمْ وہ ان کا تزکیہ کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے یُزَکِّیْھِمْ کے مقابلہ میں ان آیات میں یہ فرمایا کہ فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ (یونس ع ۱۱)یعنی ابراہیمی دعا کے مفہوم سے زاید مفہوم دنیا کے سامنے رکھا۔ فَمَنِ اھْتَدٰی میں یہ اعلان کیا کہ میں تزکیۂ نفس کے سارے سامان لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اس لیے یُزَکِّیْھِمْ والی دعا پوری ہوگئی۔ لیکن میں تمہیں یہ بتاتا ہوں کہ تمہارا تزکیۂ نفس کسی جبر کے نتیجہ میں نہیں کیا جائے گا۔ تزکیۂ نفس کے یہ سامان ہیں اور میں ان سامانوں کو تمہارے سامنے رکھتا ہوں۔

فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ

اب تمہیں خود مجاہدہ کرکے، اب تمہیں خود قربانیاں دے کر، اب تمہیں خود خلوص نیّت کا اظہار کرتے ہوئے خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لٹا کر اپنے لیے تزکیۂ نفس پیدا کرنا ہوگا۔ سامان میں لے آیا ہوں۔ مگر یہ تزکیۂ نفس جبراً تم پر ٹھونسا نہیں جائے گا بلکہ آزادیٔ ضمیر ہے اور تزکیہ کے سامان ہیں ان کا استعمال کرنا، ان سے فائدہ اُٹھانا۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنا اور طہارت اور پاکیزگی کا اہل جانا۔ اس کیلئے تمہیں کوشش کرنی پڑے گی۔ کوئی غیر یا بالائی طاقت تمہیں مجبور کرکے تمہارا تزکیۂ نفس نہیں کرے گی۔ اور نہ کرسکتی ہے۔ تو فَمَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ ہدایت کا سامان آگیا ہے تزکیۂ نفس کا سامان آگیا ہے جو شخص اس تزکیۂ نفس کے سامان سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے لیے ہدایت کی راہ ڈھونڈھ لیتا ہے وہ اپنے نفس کو فائدہ پہنچانے والا ہے۔ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا (یونس ع ۱۱) اور جو تزکیۂ نفس کے سامان سے فائدہ نہیں اُٹھاتا اور ہدایت کی راہوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ ہدایت کی راہوں کی بجائے ضلالت کی راہوں پر چل پڑتا ہے اور اپنے پیدا کرنے والے ربّ کی بجائے شیطان کی طرف منہ کرکے اس کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ تو میں اُسے یہ بتا دیتا ہوں کہ تمہیں اس گمراہی سے روکنے کے لیے بھی جبر سے کام نہیں لیا جائے گا۔ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ٥ (سورۃ نمل ع۷) میں تو ڈرانے والے منذر رسولوں میں سے ایک رسُول ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ سب سے بڑا ہوں، سب سے افضل ہوں، سب سے اعلیٰ ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوں۔ لیکن میری حیثیت منذر کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ میں تم پر جبر نہیں کرتا۔ میں نے جبر سے ضلالت کی راہوں سے تمہیں ہٹانا نہیں اور ہدایت کی راہوں کی طرف تمہیں لانا نہیں۔ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ یہ کہہ دے کہ اللہ ہی کی سب

تعریف ہے جس نے اسلام میں آیات بیّنات اور اَلْکِتَاب اور اَلْحِکْمَۃ اور تزکیہ کے سامان پیدا کر دیئے اور ایک ایسے رسول کو مبعوث فرمایا جس نے کامل نمونہ دنیا کے سامنے رکھا جس کی پیروی اور اتّباع کے نتیجہ میں انسان اپنے ربّ کی محبّت کو پالیتا ہے اور اس کے انعامات کا وارث بن جاتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ سب تعریفوں کا مستحق ہے وہ خدا، سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا جو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے وقت پھر اپنی آیات بیّنات اور قرآن کریم کے علوم کو ظاہر کرے گا۔ اس کی حکمتوں کو بیان کریگا اور ایسے سامان پیدا کر دے گا کہ دنیا کے لیے دین کی راہوں پر چلنا آسان ہو جائے گا اور بشاشتِ قلب کے ساتھ وہ اپنے ربّ کے لیے قربانیاں دینے لگیں گے اور تکمیل اشاعت دین کے وقت یعنی اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے زمانہ میں ایک عالم کا عالم محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی گود میں، آپؐ کی رحمت کے سایہ میں آجائے گا اور اس وقت خدا تعالیٰ کے وہ وعدے بھی پورے ہوں گے جو اس نے ابتداہی میں دئے تھے کہ تمام بنی نوع انسان اللہ کی محبوب اُمتِ واحدہ بنا دئیے جائیں گے۔

غرض اس آیۂ کریمہ میں یعنی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ الخ میں پانچ باتیں بیان ہوئی تھیں۔ ایک مقصد اور دعا تو یہ تھی کہ ان میں ایک ایسا رسول مبعوث ہو، جس کی یہ صفات ہوں جو یہاں بیان کی گئی ہیں، جو کامل اُسوۂ حسنہ ہو جس کے ذریعہ سے ہمیشہ روحانی فیض جاری رہے اور دوسرے آیات بیّنات کا لامتناہی سلسلہ دنیا کو مل جائے۔ تیسرے ایک ایسی کامل شریعت ہو کہ جس میں قیامت تک کوئی رخنہ اور فساد داخل نہ ہو سکے اور چوتھے انسانی عقل جو اپنے عروج اور کمال کو پہنچ چکی ہو گی اُس وقت اُن کو حکمت کی باتیں وہ بتائے، وجہ بتائے اور دلیل دے کہ یہ حکم اس وجہ سے دیا جا رہا ہے اور پانچویں اس کے نتیجہ میں ان کے تزکیۂ نفوس کے سامان پیدا کر دے۔

دراصل تزکیۂ نفوس آیات بیّنات کے بغیر اور شریعت کے احکام جو کھول کر بیان کیے گئے ہوں جن کی حکمتیں بیان کی گئی ہوں، ان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اور اصل مقصد یہ تھا کہ اُمّتِ محمدیہ کی پیدائش کی اور قیام کی جو بنیادی غرض ہے وہ پوری ہو اور جو شخص نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کو اُسوۂ حسنہ سمجھتا اور اس کی پیروی کرتا ہے، جو شخص آیات بیّنات سے فائدہ اُٹھاتا ہے جو شخص کامل شریعت کے احکام اور نواہی کا علم حاصل کرتا ہے اور اس کی حکمتوں سے واقف ہو جاتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے اور اس طرح پر وہ تزکیۂ نفس حاصل کر لیتا ہے، وہ شخص اور وہ قوم وہ ہے جس کے متعلق ان آیات کی ابتدا میں یہ کہا گیا تھا، کہ

وُضِعَ لِلنَّاسِ۔ اور فرمایا تھا: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تو ان آیات کی ابتدا اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ سے ہوئی تھی اور انتہا جو ہے وہ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ میں بیان کی گئی ہے۔ دراصل رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں اُن کے بغیر وہ بائیں مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے جن کا ذکر ان آیات میں ہے اور جن پر میں کچھ روشنی پہلے ڈال چکا ہوں۔ اور جب تک وہ مقاصد حاصل نہ ہوں اس وقت تک اُمّت مُسلمہ خیرِ اُمّت نہیں بن سکتی۔ قرآن کریم کے اَلْکِتٰب ہونے کے متعلّق اور قرآنِ کریم کے شریعت کی حکمتوں کے بیان کرنے کے متعلّق حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دو اقتباسات بھی اس وقت میں دوستوں کو سنانا چاہتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں:۔

"آج روئے زمین پر سب الہامی کتابوں میں سے ایک فرقان مجید ہی ہے جس کا کلامِ الٰہی ہونا دلائلِ قطعیّہ سے ثابت ہے ...... جس کے عقاید ایسے کامل اور مستحکم ہیں جو براہینِ قویّہ ان کی صداقت پر شاہد ناطق ہیں، جس کے احکام حقِّ محض پر قائم ہیں ..... جس میں یہ خوبی ہے کہ ..... کسی اعتقاد کو زبردستی تسلیم کرانا نہیں چاہتا، بلکہ جو تعلیم دیتا ہے اس کی صداقت کی وجوہات پہلے دکھلا لیتا ہے اور ہر ایک مطلب اور مدّعا کو حُجج اور براہین سے ثابت کرتا ہے اور ہر یک اُصول کی حقیّت پر دلائل واضح بیان کر کے مرتبۂ یقین کامل اور معرفت تام تک پہنچاتا ہے اور جو جو خرابیاں اور ناپاکیاں اور خلل اور فساد لوگوں کے عقاید اور اعمال اور اقوال اور افعال میں پڑے ہوئے ہیں اُن تمام مفاسد کو روشن براہین سے دور کرتا ہے، اور وہ تمام آداب سکھاتا ہے کہ جن کا جاننا انسان کو انسان بننے کے لیے نہایت ضروری ہے اور ہر یک فساد کی اُسی زور سے مدافعت کرتا ہے کہ جس زور سے وہ آج کل پھیلا ہوا ہے۔ اس کی تعلیم نہایت مستقیم اور قوی اور سلیم ہے"۔

(براہین احمدیہ حصّہ دوم (مقدمہ) صفحہ ۹۱-۹۲)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

" وہی معارف دقیقہ ہیں جن کو فرقان مجید میں حکمت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے :

یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا۔[1]

یعنی خدا جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی ہے یعنی حکمت خیر کثیر پر مشتمل ہے اور جس نے حکمت پائی اس نے خیر کثیر کو پالیا۔ سو یہ علوم و معارف جو دوسرے لفظوں میں حکمت کے نام سے موسوم ہیں یہ خیر کثیر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بحر محیط کے رنگ میں ہیں جو کلام الٰہی کے تابعین کو دئے جاتے ہیں اور اُن کے فکر اور نظر میں ایک ایسی برکت رکھی جاتی ہے جو اعلیٰ درجہ کے حقائق حقّہ اُن کے نفس آئینہ صفت پر منعکس ہوتے رہتے ہیں اور کامل صداقتیں اُن پر منکشف ہوتی رہتی ہیں۔" (براہین احمدیہ، حصّہ چہارم حاشیہ در حاشیہ نمبر۳ ص۴۴۵)

غرض یہ تیئیس ۲۳ مقاصد ہیں جن کا تعلّق بیت اللہ کی ازسرِنو تعمیر سے ہے اور اس کے بیان کی ضرورت یہ پڑی کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے بڑے زور کے ساتھ مجھے اس طرف متوجّہ کیا کہ موجودہ نسل کا جو تیسری نسل احمدیت کی کہلا سکتی ہے۔ صحیح تربیت پانا غلبۂ اسلام کے لیے اشدّ ضروری ہے۔ یعنی احمدیوں میں سے وہ جو ۲۵ سال کی عمر کے اندر اندر ہیں یا جن کو احمدیت میں داخل ہوئے ابھی پندرہ سال نہیں گزرے، اس گروہ کی اگر صحیح تربیت نہ کی گئی تو اُن مقاصد کے حصول میں بڑی رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی جن مقاصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ کی شکل میں دنیا کی طرف مبعوث فرمایا اور جن مقاصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو قائم کیا ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری توجہ اس طرف پھیری کہ اس گروہ کی تربیت کے لیے جو طریق اختیار کرنے چاہئیں اُن کا بیان ان آیات میں ہے جن کے اوپر

[1] البقرۃ : ۲۷۰

میں خطبات دینا رہا ہوں۔ اور اگر ان مقاصد کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے اور ان کے حصول کی کوشش کی جائے تو خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ہماری یہ پود صحیح رنگ میں تربیت حاصل کر کے وہ ذمہ داریاں نباہ سکے گی جو ذمہ داریاں عنقریب اُن کے کندھوں پر پڑنے والی ہیں۔ کیونکہ میری توجہ کو اس طرف پھیرا گیا تھا کہ آئندہ بیس پچیس سال اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے بڑے ہی اہم اور انقلابی ہیں اور اسلام کے غلبہ کے بڑے سامان اس زمانہ میں پیدا کیے جائیں گے اور دنیا کثرت سے اسلام میں داخل ہو گی یا اسلام کی طرف متوجہ ہو رہی ہو گی۔ اُس وقت اسی کثرت کے ساتھ اُن میں مُربّی اور مُعلّم چاہئیں ہوں گے۔ وہ مُعلّم اور مُربّی جماعت کہاں سے لائے گی اگر آج اس کی فکر نہ کی گئی۔ اس لیے اس کی فکر کرو اور اُن مقاصد کو سامنے رکھو جو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں۔ اور ان مقاصد کے حصول کے لیے جس رنگ کی تربیت کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کی روشنی میں اسی قسم کی تربیت اپنے نوجوانوں کو دو۔ تا جب وقت آئے تو بڑی کثرت سے اُن میں سے اسلام کے لیے بطور مُربّی اور معلّم کے زندگیاں وقف کرنے والے موجود ہوں تا وہ مقصد پورا ہو جائے کہ تمام بنی نوعِ انسان کو عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ جمع کر دیا جائے گا۔

اِن خطبات کے دوران ایک بُزرگ نے مجھے لکھا کہ آپ کے جو خطبات ہو رہے ہیں ان کا تعلّق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ایک الہام سے بھی ہے جو "تذکرہ" کے صفحہ ۱۰۸ پر درج ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"جو شخص کعبہ کی بُنیاد کو ایک حکمتِ الٰہی کا مسئلہ سمجھتا ہے، وہ بڑا عقلمند ہے
کیونکہ اس کو اَسرارِ ملکوتی سے حِصّہ ہے۔"

پس میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو میری توجہ کو اس طرف پھیرا خدا یہ چاہتا ہے کہ قوم کے بزرگ بھی اور قوم کے نوجوان بھی قوم کے مرد بھی اور قوم کی عورتیں بھی اس حکمت الٰہی کو سمجھنے لگیں جس حکمت الٰہی کا تعلّق خانہ کعبہ کی بنیاد سے ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُولُوالالباب ٹھہریں اور اس کی آواز کو اور اس کے احکام کو اور احکام کی حکمتوں کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں اور ان قدوسیوں کے گروہ میں شامل ہوں کہ جن پر اللہ تعالیٰ کے ہر آن فضل ہوتے رہتے ہیں۔ اگرچہ جو منصوبہ یا سکیم میں جماعت کے سامنے رکھوں گا اس کا اصل مقصد اُن نوجوانوں کی تربیت ہے جن کی عمر اگر وہ احمدیت میں پیدا ہوئے ہیں تو ابھی ۲۵ سال تک کی ہے۔ یا اُن کی عمر اگر وہ جماعت میں نئے داخل ہونے والے ہیں تو ۱۵ سال کی ہے۔ لیکن اس تربیت کے لیے جو ان بچوں کی

ہم نے کرنی ہے ان کے بڑوں کی تربیت کرنا ضروری ہے تا کہ وہ اس نسل کی تربیت کر سکیں۔ پس دوسرے نمبر پر مخاطب جماعت کے سب مرد اور جماعت کی سب بہنیں ہیں جن کی عمر اس وقت ۲۵ سال سے اوپر ہے کیونکہ اُن لاکھوں نوجوانوں کی تربیت جو ۲۵ سال سے کم عمر یا دوسرے لحاظ سے پندرہ سال سے کم عمر کے ہیں صرف میں اکیلا یا میرے چند ساتھی نہیں کر سکتے۔ ہمیں ہر گھر کی تطہیر کرنی پڑے گی تا کہ ہر گھر میں پرورش پانے والا، خدا کا سپاہی بنے اور اس کی رضا کو حاصل کرنے والا ہو۔ ہمیں ہر محلّہ، ہمیں ہر قصبہ، ہمیں ہر شہر کی پاکیزگی کے سامان پیدا کرنے پڑیں گے تا کہ اسی ماحول میں وہ نسل پیدا ہو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت اور ناموس پر اپنی جانیں اور اپنے اوقات اور اپنی عزّتیں اور اپنے اموال خرچ کرنے والے ہوں اور قربان کرنے والے ہوں۔

شاید مجھے یوں کہنا چاہیئے کہ پہلے بڑوں کی تربیت کرنا ضروری ہے تا ان کے ذریعہ سے ان چھوٹوں کی تربیت کی جا سکے جن پر بڑی ہی اہم ذمہ داریاں عنقریب پڑنے والی ہیں۔ یاد رکھیں اگر ہم نے اس میں غفلت برتی تو ہم پر تو خدا کا غضب نازل ہوگا اور ایک اور قوم پیدا کی جائے گی جو خدا کے وعدوں کی وارث بنے گی۔ پس اپنی جانوں کی فکر کرو اور اُن ذمہ داریوں کے نباہنے کے لیے تیار ہو جاؤ جو الہٰی منشا کے مطابق ایک سکیم کے ماتحت میں آپ پر ڈالنے والا ہوں اور جن کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ اور اسی کی توفیق سے آیندہ خطبات میں مَیں اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔

(منقول از روزنامہ الفضل۔ ربوہ۔ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۶۷ء)

نام کتاب .. .. تعمیر بیت اللہ کے تئیس عظیم الشان مقاصد

خطبات .. .. حضرت امیرالمومنین حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، امام جماعت احمدیہ

طبع اوّل .. .. ۵ ہزار

تاریخ طبع اوّل .. .. جنوری ۱۹۶۸ء

مطبع .. .. نقوش پریس لاہور

الناشر .. .. نظارت اصلاح وارشاد ربوہ

کتابت .. .. منشی غلام جیلانی ننکانہ صاحب

باہتمام ابوالمنیر نورالحق مینجنگ ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین، ربوہ ضلع جھنگ